ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
www.tanzeem.org
23
24 تا 30 جمادی الثانی 1431ھ / 8 تا 14 جون 2010ء

اس شمارے میں

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ

انٹرنیٹ پر توہین آمیز خاکوں کی اشاعت!

تسبیح کے موتیوں سے امام گر پڑا

ڈاکٹر صاحبؒ، ایک شجرِ سایہ دار

پسِ مرگ

سچی اجتماعی توبہ

افغانستان پر کنٹرول کا اصل سبب؟

قسطنطنیہ کی آواز!

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

خدائی اقتدار اعلیٰ سے بغاوت کا انجام

''موجودہ انسانی زندگی کی بنیادیں اور ضابطے جس اصل منبع سے ماخوذ ہیں، اُس کی رُو سے اگر دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آج ساری دنیا ''جاہلیت'' میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اور ''جاہلیت'' بھی اس رنگ ڈھنگ کی ہے کہ یہ حیرت انگیز مادی سہولتیں اور آسائشیں اور بلند پایہ ایجادات بھی اُس کی قباحتوں کو کم یا ہلکا نہیں کر سکتیں۔ اس جاہلیت کا قصر جس بنیاد پر قائم ہے، وہ ہے اس زمین پر خدا کے اقتدار اعلیٰ پر دست درازی، اور حاکمیت جو الوہیت کی مخصوص صفت ہے اُس سے بغاوت۔ چنانچہ اس جاہلیت نے حاکمیت کی باگ ڈور انسانوں کے ہاتھ میں دے رکھی ہے۔ اور بعض انسانوں کو بعض دوسرے انسانوں کے لیے ''اربابٌ من دون اللہ'' کا مقام دے رکھا ہے۔ اس سیدھی سادی اور ابتدائی صورت میں نہیں جس سے قدیم جاہلیت آشنا تھی بلکہ اس طنطنے اور دعوے کے ساتھ کہ انسانوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ خود افکار و اقدار کی تخلیق کریں، شرائع و قوانین وضع کریں اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کے لیے جو چاہیں نظام تجویز کریں۔ اور اس سلسلہ میں انہیں یہ معلوم کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے لیے کیا نظام اور لائحہ عمل تجویز کیا ہے، کیا ہدایت نازل کی ہے اور کس صورت میں نازل کی ہے۔ اس باغیانہ انسانی اقتدار اور بے لگام تصورِ حاکمیت کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ خلق اللہ ظلم و جارحیت کی چکی میں پس رہی ہے۔ چنانچہ اشتراکی نظاموں کے زیر سایہ انسانیت کی جو تذلیل ہوئی، یا سرمایہ دارانہ نظاموں کے دائرے میں سرمایہ پرستی اور جوع الارضی کے عفریت نے افراد و اقوام پر ظلم و ستم کے جو پہاڑ توڑ رکھے ہیں وہ دراصل اُسی بغاوت کا ایک شاخسانہ ہے، جو زمین پر اللہ تعالیٰ کے اقتدار کے مقابلے میں دکھائی جا رہی ہے۔''

جادہ و منزل
سید قطب شہیدؒ

الھدیٰ (421)

سورۃ الانفال

(آیات:69تا71)

ڈاکٹراسراراحمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

’’اے پیغمبر ﷺ جو قیدی تمہارے ہاتھ میں (گرفتار) ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں نیکی معلوم کرے گا تو جو (مال) تم سے چھن گیا ہے، اس سے بہتر تمہیں عنایت فرمائے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر یہ لوگ تم سے دغا کرنا چاہیں گے تو یہ پہلے ہی اللہ سے دغا کر چکے ہیں تو اُس نے ان کو (تمہارے) قبضہ میں کر دیا۔ اور اللہ دانا حکمت والا ہے۔‘‘

اے نبیؐ اُن قیدیوں کو جو آپؐ کے قبضے میں ہیں، کہہ دیجئے، کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں کچھ نیکی جانے گا تو تم کو اس سے بہتر دے گا جو کہ تم سے چھن گیا ہے اور وہ تمہیں بخش دے گا اور اللہ غفور ہے، رحیم ہے۔ دلوں کا حال اللہ جانتا ہے، اس وقت معاملہ قانون کا ہے۔ اب تم جنگ کرتے ہوئے گرفتار ہوئے ہو تو تمہارے درمیان کسی طرح کا امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا بلکہ سب کے ساتھ مساوی سلوک کیا جائے گا۔ یہ اس لیے کہا کہ بعض لوگ لشکرِ کفار میں بامر مجبوری شامل ہو کر آئے تھے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے عذر پیش کر رہے تھے۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ میں تو اسلام لا چکا تھا یا کسی کے کہنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ تو اُن کو کہا جا رہا کہ اگر واقعی ایسی بات ہے کہ تم مجبوراً پھنس گئے اور تمہیں فدیہ ادا کرنا پڑ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے کہیں زیادہ دے گا، جتنا تم آج دے رہے ہو۔ ظاہر ہے، قیدیوں کی بیویاں اپنے شوہروں کی رہائی کے لیے نقدی اور زیور بھیج رہی تھیں۔ حضرت زینب بنت النبیؐ رضی اللہ عنہا نے اپنے قیدی شوہر ابوالعاص کی رہائی کے لیے طلائی ہار بھیجا۔ یہ وہی ہار تھا جو ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گلے میں ہوا کرتا تھا۔ جب آپؐ نے وہ ہار دیکھا تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وفا شعار بیوی کا زمانہ آپ کو یاد آ گیا۔ اِن پر رقت جذبات کے ساتھ آپؐ نے مسلمانوں سے کہا کہ بیٹی کے پاس یہ ماں کی یادگار تھی، اگر آپ لوگ اجازت دیں تو یہ اس کو واپس کر دیا جائے۔ چنانچہ لوگوں کی اجازت سے وہ ہار واپس کر دیا گیا۔ ایسے معاملات گو تاریخی واقعات ہیں مگر ان کے ساتھ جو احساسات اور جذبات متعلق ہیں، اکثر و بیشتر اُن کا تصور ہمارے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ قیدیوں میں حضرت عباس بن عبدالمطلب آپؐ کے چچا بھی تھے، جن کے بارے میں گمان غالب ہے کہ وہ ایمان لا چکے تھے۔ مگر ابھی تک اعلان نہیں کیا تھا۔ لہٰذا جنگ میں کفار کے ساتھ ہو کر آئے تھے۔ قیدیوں کے ساتھ اُن کو بھی باندھ کر رکھا گیا تھا۔ رات کو اُن کے کراہنے کی آواز سنی تو فرمایا اُن کے بند ڈھیلے کر دو اور سب قیدیوں کے ساتھ ایسا ہی کرو۔ چنانچہ سب قیدیوں کے بند ڈھیلے کر دیئے گئے۔ یہ چیزیں تاریخ کا حصہ ہیں اور فطری احساسات اور جذبات کا مظہر ہیں۔

جو جنگی قیدی اب رسول اللہ ﷺ کو لشکرِ کفار میں شامل ہونے کے ضمن میں اپنی مجبوری بتا رہے تھے، اُن کے بارے میں آپؐ کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر یہ جھوٹ بول رہے ہیں، قسمیں کھا رہے ہیں اور آپؐ سے خیانت کرنا چاہ رہے ہیں تو پھر یہ پہلے اللہ تعالیٰ سے بھی خیانتیں کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو پکڑوا دیا اور اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

قرآن حکیم کی شفاعت

عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ((اَلْقُرْاٰنُ شَافِعٌ مُّشَفَّعٌ وَّمَاحِلٌ مُصَدَّقٌ مَنْ جَعَلَهٗ اَمَامَهٗ قَادَهٗ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَنْ جَعَلَهٗ خَلْفَ ظَهْرِهٖ سَاقَطَهٗ اِلَى النَّارِ)) (رواہ ابن حبان و الحاکم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ نے نقل کیا: ’’قرآنِ پاک ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت قبول کی گئی اور ایسا جھگڑالو ہے کہ جس کا جھگڑا تسلیم کر لیا گیا۔ جو شخص اس کو اپنے آگے رکھے اس کو یہ جنت کی طرف کھینچتا ہے اور جو اس کو پسِ پشت ڈال دے اس کو جہنم میں گرا دیتا ہے۔‘‘

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 19 — شمارہ 23
24 تا 30 جمادی الثانی 1431ھ
8 تا 14 جون 2010ء

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت

ایوب بیگ مرزا
محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد، **طابع**: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے
سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ

اگرچہ ہم نبی اکرم ﷺ کو امام الانبیاء والرسل مانتے ہیں اور اگرچہ ہم آپ ؐ کے خاتم النبیین و خاتم الرسل ہونے پر یوں ایمان رکھتے ہیں کہ نبوت کے کسی جھوٹے دعویدار سے دلیل طلب کرنا بھی ایک کافرانہ حرکت سمجھتے ہیں۔ اور اگرچہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" ہمارے ایمان کا جزوِ لاینفک ہے لیکن مسلم معاشرے میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء اور رُسل کی عزت اور احترام بھی اپنے ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں۔ ہم معاذ اللہ کسی نبی یا رسول کی توہین تو بڑی دور کی بات ہے، رتی بھر بے ادبی کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور یہ درس بھی ہمیں ہمارے اللہ اور پیارے رسول ؐ نے دیا۔ علماء کرام نے حضور ﷺ سے پہلے تمام انبیاء کے اسمائے گرامی کے ساتھ 'علیہ السلام' کا لاحقہ لازم قرار دیا۔ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ابوالانبیاء اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ مانتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ ہیں۔ پھر اِنہی انبیاء کو اپنا رہبر و رہنما کہنے والے اُس عظیم ہستی کو جو ہمارے دلوں میں ہر دم بستی ہے، جس پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں، جو ہمیں اپنی، جان مال اور اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہے اور جس پر اس کائنات کا واحد اور یکتا رب بھی درود بھیجتا ہے، اُس کی توہین کے مرتکب کیوں ہوتے ہیں۔ آخر وہ چاند پر تھوکنے کی گھٹیا حرکت کیوں کرتے ہیں۔ وہ نبوت کے مصنوعی اور کاذب دعویدار پیدا کرنے کی کوشش کیوں کرتے رہتے ہیں۔ یاد رہے، انگریز حکمران نے ہندوستان میں مرزائیت کے پودے کی کاشت بہت سوچ سمجھ کر اور منصوبہ بندی سے کی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ روحِ محمد ؐ کو ہمارے بدن سے نکالنا چاہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں اور شاید صحیح سمجھتے ہیں کہ یہ واحد اور منفرد جذبہ ہے، اس کے ہوتے ہوئے وہ دین اسلام پر کاری ضرب نہیں لگا سکیں گے۔ وہ اسلامی تشخص کو نہیں مٹا سکیں گے۔ اِس جذبہ کے ہوتے ہوئے ہم مذہبیت کا فراڈ نہیں چل سکے گا۔ جملہ معترضہ کے طور پر عرض ہے کہ مسلمان دانشور اگر غور فرمانے کا تکلف کریں تو یہ "Inter Religion Dialogue" وغیرہ بھی اسی نوعیت کا مکر ہے۔

بہرحال جھوٹے نبی پیدا کرنے کا اصل مقصد تھا اور ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارک کے بارے میں الجھاؤ پیدا کر دو، لیکن اللہ کے فضل و کرم سے اِن حرکات سے مسلمان کے دل میں جو عشقِ محمد ؐ اور حُبِّ رسول کا دریا موجزن ہے، اُس میں مزید طغیانی آ جاتی ہے، اور دشمنانِ محمد ؐ کے تمام حربے ناکام ہو جاتے ہیں۔ ہم نے لاہور میں قادیانیوں کی دو عبادت گاہوں پر دہشت گردی کے واقعہ کی شدت سے مذمت کی تھی، لیکن اگلے روز قادیانیوں کی اس جماعت کے لاہور کے امیر نے ایک پریس کانفرنس میں جس طرح قانون شکنی کی اور جس طرح آئینِ پاکستان کی دھجیاں بکھیریں، ہم اُس کا نوٹس لیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ سوال یہ ہے کہ جب تک قادیانی خود کو غیر مسلم تسلیم نہیں کرتے، وہ اقلیت کو ملنے والے تحفظ اور مراعات کا مطالبہ کس طرح کر سکتے ہیں۔ اسلام میں جہاں اقلیت کے تحفظ کی ذمہ دار اسلامی ریاست ہے، وہاں مرتد کی سزا قتل بھی شریعتِ محمدی کا اٹل فیصلہ ہے، اگرچہ یہ کام صرف اور صرف ریاست کا ہے اور افراد کو یہ کام سوچنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے معاشرے میں یہ بگاڑ صرف اس لیے پیدا ہوا کہ ہماری قانون سازی ان معاملات میں آدھا تیتر آدھا بٹیر کی صورت میں رہی۔ ہم ہر قسم کے ردِّ عمل

اور نتائج کی پروا کیے بغیر شریعتِ محمدیؐ کے اس تقاضے کو برملا بیان اور تحریر کرنے کے پابند ہیں کہ اگر 1974ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی یہ بھی طے کردیتی کہ آج کے بعد جو مسلمان اپنا مذہب تبدیل کرے گا۔ وہ اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے طے شدہ سزا کا حقدار ہوگا، تو یہ مسائل پیدا نہ ہوتے۔ عوام اور خواص کو اسلام کا یہ قانون سمجھ لینا چاہیے کہ غیر مسلم کی حفاظت اسلامی ریاست کے بنیادی فرائض میں شامل ہے لیکن اقلیتوں کو اپنی سرگرمیوں کو عبادت گاہوں تک محدود کرنا ہوگا۔ وہ اسلامی ریاست میں اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کرسکتے۔ اسلامی قانون بڑا فطری، منطقی اور عقلی ہے۔ جب انسانوں کو اسلام کی دعوت پیش کی جائے گی تو "لا اکراہ فی الدین" کے اصول کی سختی سے پابندی ہوگی، کسی پر مسلمان ہونے کے لیے جبر نہیں کیا جائے گا۔ لیکن جب کوئی شخص برضا ورغبت مسلمان ہوجائے گا تو دین کے بارے میں اُس کا اپنا اختیار ختم ہوجائے گا اور واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ لہٰذا ہم ایک طرف دہشت گردی کے مرتکب مجرموں کی گرفتاری کا مطالبہ کریں گے تو دوسری طرف قادیانی لیڈر کی آئین شکنی پر سخت اور فوری ایکشن کا مطالبہ بھی کریں گے۔ مزید برآں اپنی قومی اسمبلی سے بھی مطالبہ کریں گے کہ وہ اس حوالہ سے صحیح اور مکمل قانون سازی کرے۔

آخر میں ہم خاکوں کے ذریعے توہینِ رسالت کے گھناؤنے فعل کا ذکر کرتے ہوئے عرض کریں گے کہ امت مسلمہ خصوصاً پاکستان میں اس کے خلاف ردعمل خاصا حوصلہ افزا اور توقع سے بڑھ کر تھا۔ یہ مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ جلوسوں اور مظاہروں کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار کرتے لیکن محض مظاہرے اور مردہ باد کے نعرے اُنہیں اس گھناؤنے فعل سے روک نہیں سکتے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ امت میں اس حوالہ سے اضطراب ہے۔ وہ خود کو بے بس اور مجبور پارہی ہے اور انتقام کی آگ نے سینوں کو جھلسا دیا ہے لیکن اُنہیں سمجھ نہیں آرہی کہ وہ کیا کریں۔ ہماری رائے میں یہ انتقام مرحلوں میں لیا جاسکتا ہے۔ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ ہم اللہ رب العزت سے اپنے سابقہ گناہوں کی معافی مانگیں اور اُس کے حضور مکمل طور پر سرنڈر کرجائیں۔ اور جس عظیم المرتبت نبیؐ کی روح وہ ہمارے بدن سے نکالنا چاہتے ہیں، اُس کی تمام اداؤں کو اپنالیں، اور سنتِ رسولؐ ہمارا اوڑھنا بچھونا بن جائے۔ دوسرے مرحلے میں ہم یہ کام اجتماعی اور ریاستی سطح پر کریں تو ہم ایسی طاقت بن کر ابھریں گے کہ نہ کوئی بے ہودہ خاکہ کشی کی جرأت کرے گا اور نہ ہی انبیاء اور رُسل کے پاک اور مقدس گروہ میں نقب لگا کر کسی فراڈیئے، جعلساز، اور بہروپیے کو داخل کیا جاسکے گا۔ قرآن عزیز کہتا ہے:

"پاک ہے تیرا رب، عزت کا مالک، اُن تمام باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں اور سلام ہے رسولوں پر اور ساری تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔"

(الصافات:180-182)

بیابہ مجلس اسرار

توحید کا انقلابی تصور:

کامل معاشرتی مساوات

انسانی تاریخ کا یہ المیہ رہا ہے کہ جہاں ایک طبقہ خدائی اختیارات (Divine Rights) کا مدعی رہا ہے اور جہاں انسان ملکیتِ مطلقہ کی ضلالت میں مبتلا رہا ہے، وہاں وہ اس گمراہی میں بھی ٹھوکریں کھاتا رہا ہے کہ انسانوں میں ذات پات اور اُونچ نیچ کی تقسیم ہے۔ جبکہ توحید کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کے تمام انسان برابر ہیں۔ کوئی اُونچا نہیں، کوئی نیچا نہیں، کوئی اعلیٰ نہیں، کوئی ادنیٰ نہیں۔ یہ برہمن اور شودر کی تقسیم، یہ رنگ ونسل کی بنیاد پر افتخار انسان کے اپنے ذہن کے تراشے ہوئے فلسفے ہیں — یہ انسان کے تنگ ذہن اور قلب کے تراشیدہ اصنام ہیں۔ معاشرتی سطح پر توحید کا انقلابی تصور یہ ہے کہ پوری نوعِ انسانی ایک ہی جوڑے (آدم وحوّا) کی اولاد ہے، لہٰذا سماجی میدان میں انسانوں میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہونی چاہیے:

﴿يَآ أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً﴾ (النساء:1)

"اے نوعِ انسانی! تقویٰ اختیار کرو اپنے اس مالک اور پروردگار کا جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، پھر اس (ایک جان) سے اس کا جوڑا بنایا اور پھر اس جوڑے سے (دُنیا میں) کثیر تعداد میں مرد و عورت کو پھیلا دیا۔"

بدقسمتی سے توحید کے ماننے والوں میں بھی مرورِ زمانہ اور دوسروں کی دیکھا دیکھی اُونچ نیچ کی تقسیم آ گئی ہے۔ چنانچہ سید زادہ، وہ چاہے واقعی سید زادہ ہو یا بنا ہوا سید ہو، وہ چاہے زانی اور شرابی ہو، اس کے گھٹنے کو احترام کے ساتھ ہاتھ لگایا جائے گا۔ یہی صورت حال اور یہی تقسیم وڈیروں، زمینداروں اور ان کے مزارعین اور پیروں اور ان کے مریدین کے مابین دیکھنے میں آتی ہے۔ یہ سب کہاں سے آیا؟ ایک طرف نسلی امتیاز کی نفی اور دوسری طرف نسل پرستی کا یہ عالم! —— اگر معاشرے میں کامل سماجی مساوات نہیں ہے تو وہ معاشرہ کسی درجہ میں اسلامی معاشرہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

ممبری اور کرسی کی سیاست سے ملک میں اسلام نہیں آسکتا۔ نفاذ اسلام کے لیے منظم انقلابی جدوجہد ناگزیر ہے

انٹرنیٹ پر حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی اور ہمارا ردعمل

مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں امیرِ تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 21 مئی 2010ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

[سورۃ البقرہ اور سورۃ الاحزاب کی چند آیات کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! آج میری گفتگو دو حصوں پر مشتمل ہوگی۔ پہلے حصے میں گزشتہ جمعہ کے موضوع کو آگے بڑھانا ہے اور دوسرے حصے میں ''مغرب کی بدترین مذہبی دہشت گردی یعنی انٹرنیٹ پر حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی —— اور امت کے لیے اس ذلت سے نجات کا راستہ'' کا بیان ہوگا۔

پچھلی دو نشستوں میں جو کچھ کہا گیا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے تمام تر اندرونی و بیرونی مسائل کا اصل سبب اللہ کے دین سے بے وفائی ہے۔ اس جرم کی پاداش میں ہم اللہ کے عذاب میں گِھر چکے ہیں۔ یہ عذاب بھوک اور خوف کی صورتوں میں ہم پر مسلط ہے۔ اللہ کی رحمت ہم سے روٹھ چکی ہے، اس لیے کہ ہم زمین پر اللہ کی نمائندہ امت ہیں، ہمیں فریضۂ شہادت علی الناس ادا کرنا تھا، مگر ہم نے یہ فریضہ ادا نہیں کیا۔ اندریں حالات ہمارے لیے ذلت و رسوائی اور بھوک اور خوف کے عذابوں سے نجات کی صورت یہ ہے کہ ہم اہلِ پاکستان سچے دل سے اجتماعی توبہ کریں۔ سچی توبہ کی علامت یہ ہوگی کہ اپنے گناہوں پر نادم ہوں اور پھر اپنے اعمال کی اصلاح کریں، یعنی شریعت کے منافی اعمال کو ترک کر کے اپنی پوری زندگی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں دے دیں۔ اس کے لیے پہلا کام ذاتی محاسبہ اور خود احتسابی ہے۔ چاہیے کہ ہر شخص یہ جائزہ لے کہ کہاں کہاں وہ شریعت سے روگردانی کر رہا ہے، اور پھر اُس عمل سے تائب ہو جائے۔ یہ انفرادی حوالے سے ذمہ داری ہے۔ اجتماعی حوالے سے ذمہ داری یہ ہے کہ مسلمانانِ پاکستان دین و شریعت کے غلبہ و احیاء کے لیے پورے شعور و ادراک کے ساتھ کمر بستہ ہو جائیں۔ یہی اللہ سے وفاداری کا راستہ ہے، جس پر چل کر اللہ کی مدد حاصل ہوسکتی اور اُس کی رحمت ہمارے شاملِ حال ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ (سورۂ محمد: 7) یعنی ''اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔'' غلبۂ اسلام نبوی مشن ہے جس کے لیے آپ ؐ کو مبعوث فرمایا گیا۔ اس مشن کو آگے بڑھانا اب اس اُمت کی ذمہ داری ہے۔ اگر ہم اس راہ میں اپنی جان و مال اور اوقات لگائیں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور ہماری مدد فرمائے گا۔ یہ جدوجہد منظم اور مربوط انداز میں ہونی چاہیے۔ اس مقدس مشن میں نہایت اہم کام یہ ہے کہ قرآن کے ذریعے جہاد کیا جائے۔ افراد کے قلوب و اذہان میں ایمان کی جوت جگائی جائے، انہیں باطل افکار اور گمراہ کن نظریات کے اندھیروں سے نکالا جائے۔ قرآن حکیم میں اس کو ''جہادِ کبیر'' قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی مکی زندگی میں یہی جہاد کیا۔

سوال یہ ہے کہ غلبۂ دین کی جدوجہد کیسے کی جائے؟ اس سلسلے میں آپ ؐ کی سیرت طیبہ سے ہمیں جو رہنمائی ملتی ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے لوگوں کو دعوت دی جائے، جو لوگ اس دعوت کو قبول کرلیں، انہیں جماعت کی صورت میں منظم کیا جائے، اُن کا تزکیہ و تربیت کی جائے، انہیں راہ حق میں پیش آنے والی مشکلات اور صعوبتیں جھیلنے کا خوگر بنایا جائے۔ جب ایسے لوگ معتد بہ تعداد میں میسر آجائیں جو اپنی ذات پر اور اپنے گھر میں اسلام نافذ کر چکے ہوں، تو پھر یہ وہ وقت ہوگا جب جماعت اقدام اور مسلح تصادم کے مراحل میں داخل ہو جائے گی۔

اسلامی انقلاب کے لیے سیرت سے ماخوذ اس ترتیب کو ملحوظ رکھنا از حد ضروری ہے۔ اگر انقلابی جماعت کی تیاری، افراد کی سیرت و کردار کی تعمیر، اور اُنہیں ڈسپلن کا خوگر بنائے بغیر اقدام کیا گیا تو یہ انقلاب کے نبوی منہج کے خلاف ہوگا، اور اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ ہمیں آپ ؐ کی حیات طیبہ کے مکی دور پر غور کرنا چاہیے۔ خانہ کعبہ میں 360 بت دھرے تھے۔ نبی کریم ﷺ اور آپ ؐ کے اصحاب کیا یہ نہیں چاہتے ہوں گے کہ ان کو توڑ کر خانۂ خدا کو شرک کی نجاست سے پاک کر دیا جائے۔ مگر وقت سے پہلے یہ اقدام نہیں کیا گیا۔ پھر یہ کہ مکی دور میں آپ ؐ اور آپ کے صحابہ ؓ کو طرح طرح کی ایذائیں دی گئیں، مگر انہیں برداشت کیا گیا۔ کسی نے بھی جوابی اقدام نہیں کیا۔ حکم یہ تھا کہ ﴿کفوا ایدکم﴾ ''اپنے ہاتھ باندھے رکھو''۔ اس لیے کہ جماعت ابھی تیاری کے مرحلے میں تھی۔ ابھی مطلوبہ طاقت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ ابھی جہاد کی ٹریننگ دی جا رہی تھی۔ ابھی رسول خدا ﷺ صحابہ کرام ؓ کو سمع و طاعت کا خوگر بنا رہے تھے۔ انہیں حق پر استقامت اور ابتلا و آزمائش پر صبر کا سبق دے رہے تھے ۔

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ تیرا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

جب جماعت تیار ہوگئی تو ہجرت مدینہ کے بعد جا کر اقدام اور مسلح تصادم کا آغاز ہوا اور بدر و احد کے معرکے پیش آئے۔ لوگ بالعموم سیرت کا آغاز غزوات سے کرتے ہیں، اور اس سے پہلے مکی دور کی تیاری کو نظر انداز کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے پوری حقیقت نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے۔ اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا ۔

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے

یہ بات بھی واضح کر دی جائے کہ موجودہ دور میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد میں منہاج نبوی ؐ کے دیگر مراحل کی طرح مسلح تصادم کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ ؒ نے ایک فاسق و فاجر مسلمان حکمران

کے خلاف خروج (بغاوت) کی اجازت دی ہے، اگرچہ اس کی کڑی شرائط بتائی ہیں۔ گویا مسلح جدوجہد کا راستہ بھی ممنوع قرار نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ موجودہ دور میں تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں جو تبدیلی آئی ہے، اُس نے ہمیں مسلح تصادم کا ایک متبادل فراہم کر دیا ہے، جو کہ منظم عوامی احتجاجی تحریک ہے۔ یہ راستہ قدرے محفوظ بھی ہے اور تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں پیدا شدہ صورتحال سے زیادہ موافقت بھی رکھتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ آخری مرحلے کے طور پر اس کو اختیار کریں۔ یعنی جب اسلامی انقلابی جماعت انقلاب کے دیگر مراحل طے کر لے، تو مسلح تصادم کے مرحلہ میں مسلح تصادم کی بجائے ایک منظم احتجاجی تحریک برپا کرے اور دھرنا دے۔

ہمارے ملک نے آئینی طور پر قرارداد مقاصد کی صورت میں کلمہ پڑھ رکھا ہے۔ یہ بات ابتدا ہی سے تسلیم کی گئی ہے کہ حاکمیت اعلیٰ کی سزاوار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور یہ کہ ملک میں قرآن وسنت سے متصادم کسی بھی قسم کی قانون سازی نہیں کی جاسکتی، لیکن مسئلہ یہ ہے جیسا کہ والد گرامی محترم ڈاکٹر صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا آئین منافقت کا پلندہ ہے۔ اس میں شامل بعض شقوں نے اسلامی شقوں کو غیر مؤثر بنا رکھا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے جج صاحبان بھی انہی شقوں کو اہمیت دیتے آئے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان شقوں کے خاتمے اور شریعت کے عملی نفاذ کے لیے ایک بھرپور عوامی تحریک چلائی جائے۔ یہ ہمارا المیہ ہے کہ ہماری سیاسی جماعتوں ہی نے نہیں دینی جماعتوں نے بھی آج تک بحالیٔ جمہوریت اور دیگر ایشوز پر ہی تحریکیں چلائیں۔ نفاذ شریعت کے لیے کبھی تحریک نہیں چلائی گئی۔

یہ بات خوش آئند ہے کہ ملک کے 131 جید علماء کرام اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ ہمارے تمام تر بحران کا اصل سبب نفاذ اسلام سے پہلو تہی ہے، لہٰذا مسلمان اپنا قبلہ درست کریں اور نفاذ اسلام کی جانب پیش قدمی کریں۔ لیکن علماء کرام کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ نفاذ اسلام کے طریقہ کار بارے بھی قوم کو رہنمائی فراہم کریں۔ لال مسجد کی تحریک کے زمانے میں علماء نے کہا تھا کہ اُن کا مشن صحیح ہے، لیکن اُس کے لیے جو طریقہ کار اپنایا گیا ہے، وہ درست نہیں۔ علماء کرام کو چاہیے تھا کہ لال مسجد والوں کے طریقہ کار کی غلطی بتانے کے ساتھ ساتھ صحیح طریق کار بھی قوم پر واضح کرتے۔ وہ قوم کے پیشوا ہیں۔ لوگ اُن کے پیچھے چلتے ہیں۔ وہ صحیح راستہ بھی دکھاتے مگر انہوں نے یہ کام نہیں کیا۔ بہرکیف اب جبکہ انہوں نے موجودہ زبوں حالی پر غور کیا اور اس کا سبب اصل شریعت سے روگردانی بتایا ہے، اللہ کرے کہ وہ نفاذ اسلام کے لیے نبویؐ منہج کے مطابق جدوجہد کا آغاز کر دیں۔ مرض کی تشخیص تو انہوں نے بہت صحیح کی ہے، اللہ کرے، وہ اس کے علاج (یعنی نفاذِ اسلام) کے لیے نبوی طریقہ کار اختیار کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔ کاش! دینی سیاسی جماعتیں اس بات کا ادراک کر لیں کہ انتخابی سیاست سعی لاحاصل ہے، اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ وہ الیکشن، کرسی کی سیاست کو خیرباد کہہ کر منکرات کے خاتمے اور شریعت کی بالادستی کے لیے مسنون انقلابی منہج پر اپنی جدوجہد شروع کریں اور ایک ملک گیر، منظم، پرامن، عوامی احتجاجی تحریک برپا کر دیں۔

برادران اسلام! اس وقت عالم اسلام میں انٹرنیٹ پر توہین آمیز خاکوں کے حوالے سے شدید اضطراب، بے چینی اور غم وغصہ کی کیفیت ہے۔ ہم مسلمانوں کے دل زخمی ہیں۔ رواداری اور برداشت کا نعرہ لگانے والے یورپ اور امریکہ کے وحشی، جنونی، انتہا پسند عناصر توہین رسالت کا ارتکاب کر کے تمام اخلاقی حدود کو پھلانگ چکے اور حیوانیت کی آخری سطح تک پہنچ گئے ہیں۔ یہ عناصر اپنے خبث باطن کے اظہار کے لیے توہین رسالت کے نت نئے انداز اختیار کر رہے ہیں۔ اہل مغرب اِس کی مذمت کی بجائے اس گھناؤنی حرکت کا دفاع کر رہے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ ہمارے ہاں اظہار رائے کی آزادی ہے، ہر شخص اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اظہار رائے کی آزادی کے پردے میں دنیا کے ڈیڑھ ارب مسلمانوں کی دل شکنی کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ یہ کتنا کھلا تضاد اور منافقانہ دورنگی ہے کہ تم ہمیں تو برداشت کی تلقین کرتے ہو، ہمارے تاریخی نصاب کو بدلنے کی ڈکٹیشن دیتے ہو کہ اس میں ہندو کے خلاف مواد موجود ہے، اِسے نکالا جائے، اس لیے کہ اس سے ہندو سے نفرت کا اظہار ہوتا ہے، حالانکہ یہ تاریخی حقائق ہیں۔ تم کہتے ہو کہ رواداری کا یہ تقاضا ہے کہ کسی بھی مذہب کے پیروکاروں کی دل آزاری نہیں ہونی چاہیے، یہ آج کے دور کی مسلمہ قدر ہے۔ اگر فی الواقع تم ایسا سمجھتے ہو تو پھر تمہارا عمل اس کے خلاف کیوں ہے۔ تم اگر مذہبی رواداری اور برداشت کے راگ الاپتے ہو تو پھر یہ کیا شیطنت اور سنگین مذاق ہے کہ تم ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے دلوں کو زخمی کر رہے ہو۔ جہاں تک آزادی اظہار رائے کی بات ہے، تو یہ عملاً تمہارے ہاں بھی بے لگام اور لامحدود نہیں ہے۔ اگر یہ آزادی بے قید ہوتی تو یورپ میں ہولوکاسٹ پر بات کرنے کی اجازت ہوتی، حالانکہ یہ مذہبی معتقدات کا معاملہ بھی نہیں ہے، محض ایک تاریخی واقعہ کی صحت یا عدم صحت کا معاملہ ہے۔ یورپ میں ہولوکاسٹ (یہودیوں کا قتل عام) کے افسانے کو کوئی بھی نہیں جھٹلا سکتا۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو قانون فوراً حرکت میں آئے گا، اور اس ''جرم'' کے مرتکب کو سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہی نہیں، یہودیوں کے خلاف ذرا بھی لب کشائی پر یورپی دنیا میں سزائیں دی جاتی ہیں۔ گزشتہ تین ماہ میں اس سلسلے میں سینکڑوں افراد کو سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ تو کیا ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے دلوں کو چھلنی کرنے والی حرکت کو آزادی اظہار رائے کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یورپ وامریکہ کے کوئی اصول نہیں ہیں۔ یہ اصولوں کے معاملے میں دورنگی کا شکار ہیں۔ ان کا تہذیب وتمدن کا سارا نظام جنگل کا قانون ہے، جس میں نہ کوئی یکساں اصول اور قاعدہ ہے، اور نہ عدل کا بے لگام نظام۔ علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

یہ پہلا موقع نہیں کہ دشمنوں نے اس قسم کی گھناؤنی حرکت کی ہو۔ اس سے پہلے بھی بارہا مغربی قزّاق مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال چکے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ کئی برسوں تک گوانتانامو بے، ابوغریب اور بگرام کے امریکی عقوبت خانوں میں قرآن مجید کی توہین کی جاتی رہی ہے۔ جہاں جہاں امریکہ نے اپنے اڈے قائم کیے اور مسلمانوں کو اُن میں قیدی بنا کر رکھا، وہاں انہیں اعصابی طور پر کمزور کرنے اور ذہنی اذیت سے دوچار کرنے کے لیے توہین قرآن کی جسارت کی گئی ہے۔ توہین رسالت کی حالیہ جسارت بھی اُسی سلسلہ کی کڑی ہے، جس کا آغاز 30 ستمبر 2005ء میں ڈنمارک کے اخبار جیلنڈز پوسٹن میں نبی کریم ﷺ کے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت سے ہوا تھا۔ تب سے اب تک مختلف شکلوں میں یہ شیطانی حرکت دہرائی جاتی رہی ہے، اور اب تو یہ معاملہ بدتمیزی، جنونیت اور حیوانیت کی آخری حدوں کو بھی پار کر گیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب انسان گرتا ہے تو گرتا ہی چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ اسفل السافلین کے درجے کو پہنچ جاتا ہے۔

قرآن حکیم نے واضح کر دیا ہے کہ جو لوگ اس قسم کی گھناؤنی حرکت کریں، اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ وہ ذلت کے انجام سے دوچار ہوں گے۔ فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿57﴾

(الاحزاب)

''جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبرؐ کو رنج پہنچاتے ہیں، ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے اس نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

سورۃ التوبہ میں ارشاد ہوا:

﴿وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ o﴾ (آیت:61)

''اور جو لوگ رسول اللہؐ کو رنج پہنچاتے ہیں، ان کے لیے عذاب الیم (تیار) ہے۔''

اگر دیکھا جائے تو اس قسم کی شیطانی حرکات سے نبی آخر الزماں ﷺ کی رفعت شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ آپؐ کا مقام بہت بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ ''اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے بدترین دشمنوں نے بھی آپؐ کی عظمت کا برملا اعتراف کیا ہے۔ اس سلسلے میں ایسے غیر مسلموں کی ہزاروں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، جنہوں نے آپؐ کی رفعت شان اور عظمت کردار کو کھلے دل سے تسلیم کیا۔ بات کی وضاحت کے لیے مائیکل ہارٹ کی مثال ہی کافی ہے، جو امریکی عیسائی مصنف ہے۔ اُس نے پچھلی صدی کے آخر میں یہودیوں کے گڑھ نیویارک سے اپنی کتاب "The Hurdred" شائع کی۔ اس کتاب میں اُس نے اُن سو شخصیات کے احوال درج کیے ہیں جنہوں نے تاریخ انسانی پر سب سے زیادہ اثرات چھوڑے ہیں۔ مصنف نے عیسائی ہونے کے باوجود ان لوگوں کی درجہ بندی کرتے ہوئے سب سے پہلے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کا ذکر کیا ہے۔ یہ ہے ''الفضل ما شهدت به الاعداء''

بہر کیف ان اوچھے ہتھکنڈوں سے آپؐ کے مقام و مرتبہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اگر کوئی آسمان پر تھوکے گا تو آسمان کا کچھ نہیں بگڑے گا، تھوک تھوکنے والے کے منہ پر ہی آ کر لگے گی۔ یہ اصل میں ہم مسلمانوں کی ذلت و رسوائی ہے۔ یہ ہماری توہین و تذلیل کی جا رہی ہے۔ ابلیس کے ایجنٹ تعدی کے انداز میں دراصل ہمیں یہ کہہ رہے ہیں کہ مسلمانو! تم ڈیڑھ ارب ہونے کے باوجود ہماری نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ تم خواہ ہماری کتنی بھی خوشامد کر لو، دہشت گردی کے خلاف ہماری جنگ میں ہمارے اتحادی بن کر ہماری کتنی بھی چاکری کرو، ہم تمہیں کوئی حیثیت دینے کو تیار نہیں۔ تم کچھ بھی کر لو، عملاً تم ہماری جوتی کی نوک پر ہو۔ اعدائے اسلام کے اسی انداز فکر کا عملی مظہر یہ ہے کہ ایک طرف مسلم اُمہ پر عسکری یلغاریں ہو رہی ہیں اور دوسری جانب اُن کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے توہین رسالت اور توہین قرآن کی جسارتیں کی جا رہی ہیں۔ ہماری یہ زبوں حالی اور لاچارگی دنیا پرستی اور دین کو ترک کرنے کی وجہ سے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس کی پیشگی خبر دے دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

''قریب ہے (ایسا زمانہ) کہ (دشمن) قومیں تمہارے خلاف (جنگ کرنے اور تم کو مٹا دینے کے لیے) ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی جس طرح کھانے والی جماعت کے آدمی کھانے کی لگن (طشت) کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں''...... کسی عرض کرنے والے نے عرض کیا کہ کیا اس دن ہماری تعداد کی قلت کی وجہ سے ایسا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''(نہیں) بلکہ تم اس وقت بڑی تعداد میں ہو گے، لیکن تم سیلاب کے کوڑے کرکٹ کی طرح (بے جان اور بے وزن) ہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہاری ہیبت نکال دے گا، اور (اس کے برعکس) تمہارے دلوں میں ''وھن'' ڈال دے گا'' کسی عرض کرنے والے نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ''وھن'' کا کیا مطلب؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دنیا کی محبت اور موت کی کراہت۔''

(سنن ابی داؤد)

اندازہ کیجیے، کہ ہم کس قدر لاچارگی کا شکار ہیں کہ توہین رسالت کی شنیع حرکت پر مسلمانوں کی اجتماعیت کا ادارہ او آئی سی محض یہ دھمکی آمیز پیغام بھی نہیں دے سکا کہ آئندہ جن ممالک میں ایسی گھناؤنی حرکت کا ارتکاب ہوگا، ہم تمام مسلمان ممالک اُن سے اولاً اپنے تجارتی اور پھر سفارتی تعلقات ختم کر دیں گے، کیونکہ یہ حرمت رسولؐ کا نازک معاملہ ہے جس پر ہم کوئی سمجھوتا نہیں کر سکتے۔ ہم مسلمان نبی کے اُمتی ہونے پر بجا طور پر فخر کرتے ہیں۔ لہٰذا عالم اسلام کے نمائندہ ادارہ کی طرف سے تو جاندار ردعمل ظاہر کیا جانا چاہیے تھا، مگر اُس کا حال یہ ہے کہ پاکستان نے ایک معمولی قدم کے طور پر فیس بک پر پابندی عائد کی تو اُس نے اِس معاملے میں بھی ساتھ نہیں دیا، بلکہ صاف طور پر کہہ دیا کہ یہ پاکستان کا انفرادی معاملہ ہے۔ یہ طرز عمل بے غیرتی کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے ع حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے

ہماری حکومت نے فیس بک اور یوٹیوب کو بلاک کر کے مستحسن اقدام کیا ہے لیکن یہ کسی ملک یا ایک قوم کا مسئلہ نہیں، پورے عالم اسلام کا مسئلہ ہے۔ یہ ہر مسلمان کے ایمان کا مسئلہ ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ پاکستان کے علاوہ باقی مسلم دنیا سے اس پر جاندار ردعمل سامنے نہیں آیا۔ حالانکہ اس پر پوری اسلامی دنیا سے سخت ترین الفاظ میں ردعمل ظاہر کیا جانا چاہیے تھا، اس لیے کہ ۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ یثربؐ کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

ہم اہل پاکستان نے فیس بک پر پابندی عائد کر کے جو قدم اُٹھایا ہے، یہ ایک معمولی ردعمل ہے۔ اس سے بڑھ کر اصل کام جو ہمیں کرنا چاہیے تھا، وہ یہ ہے کہ ڈٹ کر امریکہ سے کہا جاتا کہ اگر تم یہ گستاخانہ خاکے خود ختم نہیں کرواتے تو پھر تم سے ہمارا کوئی تجارتی اور سفارتی تعلق نہیں ہوگا۔ کیا کسی مسلمان کے لیے نبی اکرم ﷺ کی حرمت اور ناموس سے بڑھ کر بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے؟

توہین رسالت جیسی جسارت پر سخت ردعمل کے ساتھ ساتھ ہمیں اس پہلو پر بھی توجہ دینی چاہیے کہ ہم اس قدر کمزور کیوں ہو گئے ہیں کہ دشمنوں کے دلوں سے ہماری ہیبت نکل گئی ہے، اور ہمارے دل اُن کے خوف سے اس قدر لرزاں ہیں کہ اُن کی ابلیسی حرکتوں پر احتجاج کے لیے ہماری زبانیں بھی گنگ ہو گئی ہیں۔ حالانکہ ایک وقت تھا جب کفار پر ہماری ہیبت طاری رہتی تھی۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کے حوالے سے کوئی قدم اُٹھانے سے پہلے سو بار سوچتے تھے۔ وہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے سندھ کی ایک مظلوم مسلمان بیٹی کی دہائی پر دربار خلافت سے ایک لشکر روانہ کیا، جس نے سندھ پر حملہ آور ہو کر نہ صرف غنڈوں کو عبرتناک سزا دی، اور مظلوم مسلمانوں کو اُن کے شکنجے سے رہائی دلائی، بلکہ سندھ کو فتح کر کے پورے ہندوستان میں اسلام کے داخلے کے لیے دروازہ کھول دیا تھا۔ مسلمانوں کے اس جراتمندانہ اقدام سے ساری دنیا کو سبق مل گیا تھا کہ مسلمان ظلم اور جارحیت کو کسی طور برداشت نہیں کرتے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ آج ہم بے بسی کی تصویر کیوں بنے ہوئے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اللہ کی رحمت ہم سے روٹھ گئی ہے۔ بزدلی اور بے حمیتی نے ہمیں کیوں گھیر لیا ہے۔ کل اگر مسلمان اپنی ایک مظلوم مسلمان بہن کی پکار پر لبیک کہہ کر ظالموں کو عبرتناک سزا دینے کی قوت رکھتے تھے، تو آج ہم اس طاقت سے محروم کیوں ہو گئے ہیں۔ ہمیں غور کرنا چاہیے کہ اب یہ طاقت اور قوت دوبارہ کیونکر حاصل کی جا سکتی ہے کہ ہم دشمنوں کو دنداں شکن جواب دے سکیں، اور اُن کی شنیع حرکات کا قوت سے قلع قمع کر سکیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں مسلمان بننے اور دین کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

[مرتب: محبوب الحق عاجزؔ]

تسبیح کے موتیوں سے امام گر پڑا!

حافظ محمد صفدر ساجد

"یہ جہان فانی ہے"، مختصر سا جملہ ہے لیکن اس کے معنی برحق ہونے کی شان یہ ہے کہ تمام دنیا اس کی قائل ہے، اور دنیا کے اس پر ایمان نہ رکھنے کی کوئی بھی وجہ نہیں کہ جس نے یہ دنیا بنائی اس کا اعلان ہے:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٨﴾﴾ (القصص)

"ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے، فرماں روائی اسی کی ہے اور اسی کی طرف تم سب پلٹائے جانے والے ہو۔"

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾﴾ (الرحمٰن)

"ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہونے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ نے اسی فنا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ((بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ)) "میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح بھیجے گئے ہیں (کہ جس طرح شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی میں تھوڑا سا فرق ہے، اسی طرح میرے بعد جلد ہی قیامت آنے والی ہے۔)"

رسول اکرم ﷺ نے قرب قیامت کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ((إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ)) یعنی "قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ علم اٹھا لیا جائے گا" (صحیح بخاری)

ایک دوسری حدیث میں نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے یہ بھی وضاحت فرما دی ہے کہ علم کس طرح اٹھا لیا جائے گا۔ ارشاد نبویؐ ہے: ((إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ......)) (صحیح بخاری) یعنی "اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں قبض کرے گا (اٹھائے گا) کہ اسے بندوں سے چھین لے بلکہ وہ علم کو اس طرح اٹھائے گا کہ علماء کو اٹھا لے گا۔"

مندرجہ بالا احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کی زندگی علم سے ہے، اور علم کا اٹھ جانا اس کائنات کے لیے پیغام اجل ہے، شاید اسی لیے کسی نے کہا اور بالکل صحیح کہا: مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ "عالم کی موت عالَم (جہان) کی موت ہے"۔ عالم اسلام پر بالعموم اور برصغیر پاک و ہند پر بالخصوص حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کا تعلق قرآن و حدیث سے جوڑنے کا تجدیدی کارنامہ سرانجام دیا۔ خصوصاً حدیث رسول ﷺ کی اشاعت میں اس خاندان کی عظیم خدمات ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ کے بعد شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور پھر ان کے نواسے اور شاگرد رشید محمد اسحاق صاحب دہلویؒ اور ان کے دوسرے شاگرد شاہ عبدالغنی صاحب کی یہ علمی میراث دیو بند کی طرف منتقل ہوئی۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ و مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بعد شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نابغہ عصر، نمونہ سلف حضرت مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ وہ نمایاں ترین ہستیاں ہیں کہ جنہوں نے علم قرآن و حدیث کی بہترین خدمات انجام دیں اور قدرت نے ان بزرگوں کو ایسے تلامذہ راشدین سے نوازا جنہوں نے اپنے علم، زہد، تقویٰ اور فراست و فقاہت سے ایک عالم کو منور کیا۔

انہی تابندہ و روشن ستاروں میں سے ایک محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ بھی ہیں۔ آپ معارف و علوم کا بہت بڑا خزانہ تھے، جس سے لاکھوں انسانوں نے استفادہ کیا۔ اب وہ ہمیں چھوڑ کر وہاں چلے گئے ہیں جہاں بالآخر ہم سب کو جانا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی وفات ایک علم کے چراغ کی موت ہے۔ بلاشبہ علم و آگہی کا چراغ تاباں چار دانگ عالم میں ہزاروں چراغ روشن کرنے کے بعد گل ہو گیا۔ علم کا ایک پہاڑ زمین بوس ہو گیا۔ ایک ایسی ہستی جس پر علم کو ناز تھا، اس جہان فانی سے کوچ کر گئی۔ ڈاکٹر صاحبؒ کی رحلت پر عبدۃ بن الطیب کا یہ مشہور شعر پوری طرح صادق آتا ہے۔

فَمَا كَانَ قَيْسٌ هُلْكُهُ هُلْكُ وَاحِدٍ
وَلٰكِنَّهُ بُنْيَانُ قَوْمٍ تَهَدَّمَا

راقم پہلی مرتبہ علماء کنونشن میں جو تقریباً بیس برس قبل جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو میں منعقد ہوا تھا، شریک ہوا۔ پہلا سراپا جو کہ محترم ڈاکٹر صاحبؒ کا میرے ذہن و نظر پر منعکس ہوا تھا، کچھ ایسا تھا، میانہ قامت، معتدل جسامت، چہرے پر طلاقت، رنگ میں ملاحت، زبان میں فصاحت، گفتگو میں بلاغت، الفاظ میں لطافت، معانی میں نزاکت، فکر میں جزالت، اداؤں میں قیامت، شرگیں اور سرگیں آنکھیں، دلآویز باتیں، سر پر جناح کیپ، ہاتھ میں عصائے زریں، کھلا گریبان، کشادہ دل و جاں، بالکل سادہ انسان، اہل سنت کی برہان، یہ تھے محترم ڈاکٹر اسرار احمد خطیب پاکستان، سحر البیان۔ مدت ہوئی اس واقعہ کو رونما ہوئے لیکن اس مجلس کی یاد دل میں ہنوز آباد ہے۔

کتنے حسین لوگ تھے جو مل کے ایک بار
آنکھوں میں بس گئے، دل و جاں میں سما گئے

میں نے عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا احمد سعید دہلوی اور قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کا زمانہ نہیں پایا، لیکن الحمدللہ میں محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ جیسے عظیم خطیب و واعظ کی بہار آفریں خطابت و موعظت سے محروم نہیں رہا۔ جو عزیز یہ شرف نہیں پا سکے ان کے لیے محترم ڈاکٹر صاحبؒ کی تقریر کی کیا نقشہ کشی کروں۔ آپ کے خطاب کی آب و تاب، شراب ناب اور چنگ و رباب سے بڑھ کر سحر انگیز تھی۔ آپ کی آواز نغمۂ بلبل، صدائے قلقل اور نوائے صلصل کی بازگشت ہوتی تھی۔ آپ کا انداز بجلی کی چمک، کوندے کی لپک، ستاروں کی دمک اور پھولوں کی مہک کا عکاس تھا۔ آپ کی بات دل سے اٹھتی تھی اور دلوں پر گرتی تھی۔ آپ بولتے تھے تو موتی رولتے تھے، سامعین جھومتے تھے اور آپ کے ساتھ گھومتے تھے۔

آپ کی تقریر مرصع، مسجع اور مقفّٰی ہوتی تھی۔ ندرتِ تکلم اور اردو کے مخصوص لب و لہجے کے ساتھ آپ کی خطابت کا لطف دو آتشہ ہو جاتا تھا۔ قرآن و حدیث، صحابہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت آپ کے رگ و ریشہ میں بسی ہوئی تھی۔ اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ آپ کی تقریر کا سارا حسن اس حسین محبت کا مرہون منت تھا، شانِ صحابہؓ قرآن و حدیث اور ڈاکٹر اسرار احمد، بس۔ بقول غالب کیفیت یہ ہوتی تھی ؎

پھر دیکھیے اندازِ گل افشانیٔ گفتار
رکھ دے کوئی ساغر و مینا مرے آگے

عصر حاضر میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ آبروئے شیوۂ اہل نظر'' رخصت ہو رہی ہے اور ہر ''بوالہوس، حسن پرستی، شعار کیے ہوئے ہے تو اس مخلص و باوفا خطیب وادیب کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔

یوں بسر کی زندگی ''اُس'' نے اسیری میں جگر
ہر طریقہ داخلِ آدابِ زنداں ہو گیا

آخر میں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں، کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے قائم کردہ ادارے اور تنظیم، تنظیم اسلامی اور تنظیم اسلامی کا ایک ایک فرد تسبیح میں موجود موتیوں کی مانند ہیں۔ تسبیح کا امام گر پڑا، لیکن اللہ تسبیح کو محفوظ رکھے۔ سب سے بہتر نگہبان تو اللہ عزوجل کی بزرگ و برتر ذات ہے، جو اِس کی حفاظت کرے اور منزل مراد تک پہنچائے، اور قیامت کے دن اُن (محترم ڈاکٹر صاحبؒ) کے سامنے شرمندہ نہ کرے، کہ ہم اعلاءِ کلمۃ اللہ کی خاطر سب ایک بنے تھے مگر تساہل وتسامح سے کام لیتے لیتے بکھر گئے اور وفا نہ کر سکے۔ اللہ نہ کرے کہیں ایسا ہو، بلکہ ہر فرد اپنے کام کا خود ذمہ دار ہے، جواب دہ ہے کہ اس نے دینِ نبیؐ کے لیے اپنا تن من دھن کتنا صرف کیا، اللہ کرے یہ تسبیح کبھی نہ بکھرنے پائے، آمین!

اللہ تعالیٰ محترم حافظ عاکف سعید صاحب مدظلہ کی زندگی دراز فرمائے اور وہ حقیقی معنوں میں اپنے والد کے جانشین بن کر سرخرو ہوں۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ کی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

پریس ریلیز

حافظ عاکف سعید

قادیانیوں کی عبادت گاہوں میں دہشت گردی انٹرنیشنل سطح پر پاکستان کی سلامتی کے خلاف کی جانے والی سازشوں کا حصہ ہے

امریکہ، اسرائیل اور بھارت کا شیطانی اتحاد اس نوعیت کے خونی ڈرامے کر کے پاکستان کو ناکام اور دہشت گرد ریاست قرار دلوانا چاہتا ہے

اسلام اقلیتوں کی عبادت گاہوں کے احترام کا حکم دیتا ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے ایک بیان میں کہی۔ قادیانیوں کی عبادت گاہوں میں دہشت گردی کی شدید مذمت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مسلمان کسی غیر مسلم اقلیت کی عبادت گاہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ انہوں نے اس خونریزی کو انٹرنیشنل سطح پر پاکستان کی سلامتی کے خلاف کی جانے والی سازشوں کا حصہ قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ اب بڑے منظم انداز میں توہینِ رسالت کے قانون کے خلاف ہنگامہ کھڑا کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں شمالی وزیرستان اور جنوبی پنجاب میں آپریشن کے لیے ہماری عسکری قیادت پر دباؤ ڈالا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ، اسرائیل اور بھارت کا شیطانی اتحاد اس نوعیت کے خونی ڈرامے کر کے پاکستان کو ناکام اور دہشت گرد ریاست قرار دلوانا چاہتا ہے تاکہ اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کر سکے۔ انہوں نے کہا کہ ایسے موقع پر طالبان کے خلاف واویلا کرنے کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ اصل مجرموں کو بچایا جا سکے۔ (پریس ریلیز: 29 مئی 2010ء)

غزہ میں محصور فلسطینیوں کے لیے امدادی سامان لے جانے والے نہتے قافلے پر اسرائیل کا حملہ بدترین درندگی اور انسانیت کے خلاف سنگین جرم ہے

امت مسلمہ اسلام سے وفاداری کے ذریعے اپنی ناتوانی کو طاقت میں تبدیل کر کے دنیا میں باعزت مقام حاصل کرے

غزہ میں محصور فلسطینیوں کے لیے امدادی سامان لے جانے والے نہتے قافلے پر اسرائیل کا حملہ ایک ایسا وحشیانہ عمل اور درندگی کا مظاہرہ ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے ایک بیان میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ اسرائیل کا یہ گھناؤنا طرزِ عمل انسانیت کے خلاف سنگین جرم ہے اور اس ظالمانہ کارروائی سے اسرائیل ہی نہیں خود کو مہذب دنیا سے منسوب کرنے والے امریکہ اور یورپ کا چہرہ بھی بے نقاب ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمان حکمرانوں سے ہمیں کوئی توقع نہیں کہ وہ زبانی کلامی مذمت اور الفاظ کی ہیرا پھیری کے سوا کوئی عملی اقدام اُٹھائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ حکیم الأمت علامہ اقبالؒ ایک صدی پہلے ان الفاظ میں ہمیں یہ درس دے چکے ہیں کہ ؏ ''ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات'' ضرورت اس امر کی ہے کہ امت مسلمہ اپنی ناتوانی کو طاقت میں تبدیل کر کے دنیا میں باعزت مقام حاصل کرے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن حکیم ہمیں پندرہ سو سال پہلے بتا چکا ہے کہ یہود و نصاریٰ کبھی ہمارے دوست نہیں ہو سکتے۔ ہم جتنی جلدی اس بات کو سمجھیں گے اتنا ہی ہمارے لیے مفید ثابت ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ جب تک مسلمان اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کو ذاتی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر من وعن تسلیم نہیں کریں گے، ذلت و رسوائی سے نجات حاصل نہیں کر سکیں گے اور دشمن ہمیں گاجر مولی کی طرح کاٹتا رہے گا۔ (پریس ریلیز: 31 مئی 2010ء)

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان)

ڈاکٹر صاحبؒ: ایک شجر سایہ دار

ابوکلیم نبی محسن

پھولوں کی بہت سی قسمیں ہیں اور ان کی خوشبو بھی الگ الگ ہے۔ پھولوں کو توڑ دیا جائے تو بالعموم وہ چند گھنٹوں کے بعد مرجھا جاتے ہیں اور اُن کی مہک ختم ہو جاتی ہے، لیکن میں گلشنِ ہستی کے جس پھول کا تذکرہ کر رہا ہوں وہ نہ مرجھانے والا پھول ہے۔ اُس کے ایمان پرور بیانات کی خوشبو سے چمنستانِ حیات تا دیر مہکتا رہے گا۔ یہ سدا بہار پھول ڈاکٹر اسرار احمد تھے جو قرآن و حدیث کی مہک سے گلشن ہستی کو معطر کرتے رہے۔ ان کی بنائی ہوئی قرآن اکیڈمی سے قرآن و حدیث کے علوم کے فوارے پھوٹتے رہیں گے جو ان کے لیے صدقہ جاریہ ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب بے دھڑک حق کہنے والے اور صداقت کا پیکر تھے۔ وہ ہر حال میں کلمہ حق کہتے، اِس سلسلے میں کسی وقتی مصلحت کو اپنے آڑے نہ آنے دیتے۔

ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ ذہانت سے نوازا تھا۔ انہوں نے دورِ جدید کی بہت سی اصطلاحات کو بڑے دلنشیں انداز سے لوگوں کے ذہنوں میں بٹھایا۔ نیو ورلڈ آرڈر بقول ڈاکٹر صاحب کے جیو ورلڈ آرڈر ہے۔ یہ سیکولر صیہونی نظام ہے جس کے تحت یہودی پوری دنیا پر اپنی اجارہ داری قائم کرنا چاہتے ہیں۔ سیکولرازم کے بارے میں ڈاکٹر صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ سیکولرازم کا مطلب ہمہ مذہبیت لادینیت ہے۔ سیکولرازم میں مذاہب کو اجتماعی نظام میں کوئی دخل حاصل نہیں ہوتا۔ سیکولرازم زندگی کے اجتماعی گوشوں سے خدا کے تصور کو نکال دیتا ہے۔ اُس کے نزدیک قانون سازی میں مذہب اور اُس کی تعلیمات کا عمل دخل گوارا نہیں کیا جاسکتا، یہ جمہور کا حق ہے۔ لہٰذا عوام کے نمائندگان جیسے چاہیں قانون سازی کریں۔ ڈاکٹر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ سیکولرازم خدا کے خلاف انسانی تاریخ کی سب سے بڑی بغاوت ہے۔

ڈاکٹر صاحب قرآن کے قوال تھے۔ جہاں بھی جاتے اور جس موضوع پر گفتگو کرتے آپ کا حوالہ قرآن و حدیث ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ قوت بیان کے ساتھ ساتھ شیریں زبان بھی عطا کی تھی۔ ایک دفعہ انڈیا میں ''کتاب میلہ'' میں تنظیم اسلامی کے سٹال پر ڈاکٹر صاحب کی سی ڈی لگی ہوئی تھیں۔ ایک ہندو ڈاکٹر صاحب کا بیان ہمہ تن گوش ہو کر سن رہا تھا۔ جب تقریر ختم ہوئی تو کہنے لگا، اس شخص کے گلے میں تو بھگوان بول رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے دینی موضوعات کو انتہائی موثر پیرائے میں پیش کیا۔ دین کا جامع تصور، فرائض دینی کا جامع تصور، رسول انقلابؐ کا طریق انقلاب اور جہاد فی سبیل اللہ جیسے موضوعات پر آپ کے خطابات نے بہت سے ذہنوں میں تبدیلی برپا کی۔ مشہور دانشور احمد جاوید ڈاکٹر صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف اپنی پوری فکر بلکہ اپنا پورا وجود دین کے لیے وقف کیا تھا اور بلاشبہ ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر خدا یاد آتا ہے۔''

باجوڑ کے علاقے کی ایک معزز اور محترم دینی شخصیت استاد الحدیث مولانا دوست محمد نورستانی نے ایک موقع پر اپنے دورۂ حدیث کے اختتام پر علماء کرام سے بھری محفل میں فرمایا تھا:

> ''پاکستان میں اسلامی انقلاب کے لیے جو شخص صحیح نہج پر کام کر رہا ہے وہ ڈاکٹر اسرار احمد ہے۔''

ڈاکٹر صاحب ایک شجر سایہ دار تھے۔ اگرچہ آپؒ اس دنیا سے رخصت ہوگئے ہیں لیکن آپ کا مشن جاری ہے۔ اشاعت قرآنی اور اقامت دین کے لیے آپ نے جو ادارے قائم کیے، اِن شاء اللہ وہ آپؒ کے مشن کو آگے بڑھاتے رہیں گے۔ آپ کے شاگردوں اور رفقاء کی پیغام قرآن کی اشاعت اور غلبۂ دین حق کی جدوجہد آپ کے لیے صدقہ جاریہ اور خود رفقاء کے لیے نجات کا ذریعہ بنے گی، ان شاء اللہ۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ کریم ڈاکٹر صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

تمہاری یاد سلامت ہو تو کیا غم ہے
جدھر بھی بیٹھیں گے محفل تری سجائیں گے

❁❁❁

دعائے مغفرت کی اپیل

- تنظیم اسلامی سیالکوٹ جنوبی کے رفیق محمد آصف کے والد وفات پا گئے
- تنظیم اسلامی سیالکوٹ جنوبی کے مبتدی رفیق نور محمد اپنے خالق حقیقی سے جاملے
- گوجرانوالہ شہر کے مبتدی رفیق مولانا ماجد رضا کی ہمشیرہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں
- بہاولنگر شہر کے رفیق تنظیم ہیڈ ماسٹر راؤ محمد جاوید کا بیٹا اور بھائی کچھ دنوں کے وقفہ کے ساتھ فوت ہو گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین و مرحومہ کی مغفرت فرمائے۔ قارئین ندائے خلافت اور رفقائے تنظیم سے بھی دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اللّٰھم اغفرلھم وارحمھم وحاسبھم حساباً یسیراً

تنظیمی اطلاع

مقامی تنظیم اورنگی ٹاؤن کراچی میں جناب محمد عمران کا بطور امیر تقرر

مقامی تنظیم اورنگی ٹاؤن کراچی میں تقرر امیر کے لیے امیر حلقہ کراچی کی جانب سے موصولہ اُن کی اپنی تجویز اور رفقاء کی آراء کی روشنی میں امیر محترم نے مرکزی عاملہ کے اجلاس منعقدہ 19 رمئی 2010ء میں مشورہ کے بعد جناب محمد عمران کو مقامی تنظیم کا امیر مقرر فرمایا۔

☆☆☆

پسِ مرگ

مولانا قاری منصور احمد

ان کی دو باتیں مجھے اچھی لگتی تھیں۔ ایک تو وہ دین دار تھے اور پکے دین دار۔ کالج یونیورسٹی کی تعلیم نے ان کا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ خصوصاً اُس جدت پسندی نے جس سے دین کی دیوار میں دراڑ ڈالی جاتی ہے۔ انہوں نے داڑھی رکھی تھی۔ پوری داڑھی اور خوب ٹھوک بجا کے اس کا پرچار اپنے متعلقین میں کیا کرتے۔ وہ بڑی داڑھی کو ہی داڑھی سمجھتے تھے۔ وہ اپنی شلوار ٹخنوں سے اونچی رکھتے تھے۔ واضح طور پر اونچی' بغیر کسی معذرت کے' جس کے بارے میں شیخ یعقوب بھوپالی ؒ فرمایا کرتے تھے: ''داڑھی تو بہت سوں کی لمبی دیکھی مگر ٹخنوں کی اونچی شلوار کم ہی نظر آئی''۔

آپ سوچیں گے یہ کون سی کمال کی بات ہے؟ یہ تو بہت آسان ہے۔ جی ہاں' بظاہر بہت آسان ہے' مگر ڈاکٹر کا سابقہ اور میڈیکل کی ڈگری کا لاحقہ ہو تو مشکل ہو جاتا ہے۔ خصوصاً حلقہ بھی جدید تعلیم یافتہ اور ماڈرن گھرانوں پر مشتمل ہو کہ ان کا مخاطب یہی طبقہ تھا جو دینی مدرسوں کے فضلاء کو ان پڑھ ہی سمجھتا ہے۔ ان کے نزدیک پڑھا لکھا ہونے کے لیے ڈاکٹر' انجینئر یا پروفیسر ہونا ضروری ہے۔ جنرل اور وزیر وغیرہ ہونا بھی اب ایک علمی اور روحانی منصب شمار ہونے لگا ہے۔ ایسے طبقے کو مانوس کرنے کے لیے کوٹ پتلون' نکٹائی کے ساتھ اگر کلین شیو نہ ہو تو داڑھی فقط اتنی ہو جیسے بقول کسے ''کاغذ پر انگوٹھے کا نشان'' بوقت خطاب یا نماز سر پر ٹوپی رکھ لینا' اسکالر کو دینی اسکالر کا رتبہ عطا کر دیتا ہے۔

خصوصاً وہ جن کی راہنمائی کے پرچم کے سایہ تلے انہوں نے دینی پرورش پائی، وہ بھی فقط ایرانی داڑھی کے قائل تھے اور ان کا حلقہ تمام اسی روش پر مائل تھا۔ باوجود اس کے کہ انہوں نے احادیث نبویہ سے روشنی پا کر اس کو خوب سمجھا کہ ایک مشت سے کم داڑھی' داڑھی نہیں۔ پھر اس پر ڈٹ گئے۔ میں اس لیے تو کہہ رہا ہوں کہ وہ پکے دین دار تھے۔

ان کے گھرانے میں شرعی پردہ تھا۔ ہماری عملی پسماندگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب صحیح پردے کو سمجھانے کے لیے شرعی کا سابقہ لگانا پڑتا ہے۔ گویا ایک پردہ غیر شرعی بھی ہوتا ہے۔ جی ہاں! یہ غیر شرعی پردہ نشین تو بازار میں بہت سے نظر آئیں گے جن کے بارے میں مفتی رشید احمد صاحب ؒ فرمایا کرتے تھے: ''ان عورتوں نے سردی سے بچنے کے لیے برقع اوڑھ رکھا ہے۔ ورنہ چہرہ تو دعوت دیدار کی کھلی دکان ہے''۔ بظاہر دین دار گھرانوں میں بھی شرعی پردے کا تناسب چار پانچ فیصد سے زیادہ نہیں۔ جن گھروں میں اس پر عمل درآمد کی خاطر فرسٹ' سیکنڈ اور تھرڈ کزنز کا داخلہ بند ہو جائے وہ تو خود اچھوت بن کے رہ جاتے ہیں۔ اس کی پروا کیے بغیر انہوں نے نہ صرف اپنے گھر بلکہ اپنے تمام متعلقین کے گھروں میں بھی اس کو عملاً یقینی بنایا۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ میری اہلیہ پردہ تو کرتی تھی مگر میرے کہنے پر۔ ان کو تو دل کی پوری رضامندی سے قائل کرنے کا ذریعہ ڈاکٹر صاحب کی دختر نیک اختر ہی بنیں جو اپنے نیک بخت شوہر ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کے ہمراہ قریب کے محلے میں رہائش پذیر تھیں۔ ان کی دو ملاقاتوں نے وہ اثر دکھایا کہ پھر 25 سال سے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

وہ پکے دین دار تھے۔ انہوں نے شادی بیاہ سے ہندوانہ رسوم اور دیگر خرافات کے خاتمے اور سنت نبویؐ کے مطابق اسے انجام دینے کے لیے مثالی کردار ادا کیا۔ یعنی اصلاح الرسوم کی عملی تصویر پیش کرنے کے لیے اپنی اولاد کو تختہ مشق بنایا (جی ہاں! اس کو عوامی زبان میں تختہ مشق ہی گردانا جاتا ہے) بارات نہ جہیز' جب یہ دونوں نہیں تو ان کے تمام لوازمات کا خاتمہ خود بخود لازم۔ ''پھر فاتحہ نہ درود' مر گئے مردود'' قسم کی تقریب یعنی مسجد میں نکاح' وہیں سے رخصتی۔

انہی دنوں میں ایک ریٹائرڈ سرکاری افسر کے سامنے میں نے اس تقریبِ نکاح کو سراہا تو انہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کے کہا: ''ہاں بھئی! ڈاکٹر صاحب تو مشہور آدمی ہیں۔ ہماری بیٹی تو جہیز کے بغیر قبول نہیں کی جاتی''۔ مجھے تو اس سے یہ فائدہ ہوا کہ دو بیٹیوں کی شادی کی۔ ہینگ لگی نہ پھٹکری۔ ایک دھیلا بھی خرچ نہ ہوا اور بخیر و خوبی شادی ہو گئی۔ اب وہ ماشاء اللہ بال بچوں والی ہیں۔ میں نے مزید شادیوں میں اسی ڈاکٹری نسخے کو آزمایا اور مفت میں تین بیاہ رچا لیے۔ اگر ان تمام شادیوں کو مروجہ رسوم و رواج کے مطابق انجام دیا جاتا تو کم از کم' کم از کم 5 سے 10 لاکھ کی ضرورت پیش آتی اور اتنے پیسے تو میرے پیو (باپ) نے بھی نہیں دیکھے ہوں گے۔ میرے کول (پاس) کہاں سے آتے؟

دوسری بات جو مجھے اچھی لگی وہ ان کی سادگی تھی۔ وہ متوسط درجے سے تعلق رکھتے تھے۔ بعد میں ڈاکٹری کے ذریعے ان کی آمدنی معقول ہو گئی تھی۔ پھر خدمت قرآن کی نسبت سے ان کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا۔ اس قسم کی وسعتوں سے زندگی میں بہت سی وسعتیں لوگ پیدا کر لیا کرتے ہیں' مگر انہوں نے اپنے آپ کو نہ بڑھایا نہ گھٹایا۔ مفلسی نہ عیاشی۔ بس عام آدمی کی زندگی کو اپنا لیا۔ ایک مرتبہ اپنے گھر کے دروازے لوگوں کے لیے کھول دیے اور سب نے اندر جھانک کر دیکھ لیا کہ جو باہر تھا وہی اندر ہے۔ ایک مرتبہ خود بتایا کہ میرے گھر میں 'سیٹ' نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ یعنی ٹی سیٹ' واٹر سیٹ' ڈنر سیٹ وغیرہ۔ ضرورت کے مطابق کسی بھی رنگ و صورت کی پلیٹ' کپ یا گلاس کو استعمال کر لیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب میں اور بھی بہت سی چیزیں اچھی ہوں گی۔ ہوں گی کیا' تھیں' لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ کسی کی تمام اچھائیاں سب کی نظر میں آ جائیں۔ حد نظر اور وسعت فکر کے مطابق ہی دکھائی دیتا ہے۔ نوجوان شادی شدہ جوڑا ہنی مون منانے دامن کوہ کے سبزہ زار پر بیٹھا چپس کھا رہا تھا۔ سامنے پہاڑ پر گہرے بادل اٹھکھیلیاں کر رہے تھے۔ ٹھنڈی خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ لڑکی نے اس رومانوی ماحول سے متاثر ہو کر شرمیلے لہجے میں پوچھا: ''تمہیں کیسا لگ رہا ہے؟'' ''مجھے یہ لگ رہا ہے کہ تم مجھ سے زیادہ چپس کھا رہی ہو!'' تاجرانہ ذہن کے مالک خاوند نے ترچھی نگاہ سے دیکھ کر کہا۔ ہم نے بھی ڈاکٹر صاحب کے چپس ہی گنے ہیں۔ جذبات' احساسات اور خدمات گنوانے کو اور بہت لوگ ہیں۔

آپ کہیں گے یہ کون سے ڈاکٹر صاحب ہیں تو جناب یہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہیں جو پچھلے دنوں وفات بھی پا گئے ہیں اور ہم عموماً فوت ہونے کے بعد ہی کسی کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ اب وہ مرحوم ہیں' اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے گا کیونکہ وہ ہے ہی رحم کرنے والا۔ (بشکریہ ہفت روزہ ''ضرب مومن'')

☆ نفاذِ اسلام کے وعدہ کی خلاف ورزی کر کے ہم منافقت کے مرتکب ہو رہے ہیں

☆ ملک میں سودی نظام نافذ کر کے ہم نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے ایسی جنگ چھیڑ رکھی ہے جو ایٹمی جنگ سے بھی زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہے۔

☆ ہم جن بحرانوں کا شکار ہیں، اُن سے چھٹکارا کی ایک ہی صورت ہے، اور وہ ہے:

سچی اجتماعی توبہ

عبدالمجید چغتائی

موجودہ مختلف قسم کے عذابوں سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے اب فوری طور پر اللہ پاک کے حضور سچی اجتماعی توبہ کر کے اسے راضی کرنا ناگزیر ہو گیا ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ہمارے ملک کی تباہ کن بحرانوں، عذابوں اور انتہائی گھمبیر قسم کے فتنہ اور فساد میں پھنس جانے کی بنیادی اور حقیقی وجہ ہم مسلمانوں سے اللہ پاک کی ناراضی ہے۔ جس کے نتیجہ میں ہمارا ملک اپنی تاریخ کے انتہائی نازک بحرانی دور سے گزر رہا ہے۔ ان پریشان کن حالات کی وجہ سے عوام کی اکثریت مختلف قسم کے مادی مسائل اور ذہنی اور قلبی امراض میں مبتلا ہے۔ اللہ پاک کی ناراضی کی چند بڑی وجوہات ہیں جو درج ذیل ہیں: ۔

1) ہم نے یہ ملک حاصل کرتے وقت اللہ پاک سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم اس ملک میں تیرے دین اسلام کو عملی طور پر نافذ کریں گے لیکن افسوس صد افسوس کہ ہم نے اس وعدہ کی خلاف ورزی کی اور تریسٹھ سال سے غیر اسلامی قوانین کو اپنا رکھا ہے۔ ہم ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کی بجائے غیروں کی غلامی کر رہے ہیں اور انہی سے ہی ہر قسم کی مدد مانگتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہم ایک بہت بڑی منافقت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

2) پورے ملک میں سودی نظام نافذ کر کے ہم نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ کھلی جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ یہ جنگ ایٹمی جنگ سے بھی زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہے۔ اگر ہم اب بھی سودی نظام کو ختم کر کے اسلامی نظام معیشت نافذ کر دیں تو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے چھیڑی ہوئی جنگ ختم ہو جائے گی اور اللہ کی نصرت ہمارے شامل حال ہو جائے گی۔

3) ہم دین اسلام سے منہ موڑنے، تارک قرآن ہو جانے اور اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ پاک کی ناراضی کا شکار ہو چکے ہیں۔ جس کے نتیجے میں پوری دنیا میں ذلیل وخوار ہو رہے ہیں۔ قرآن کا دامن تھامنا ہماری سربلندی کا ذریعہ ہے۔ اور اس کا ترک کرنا ذلت و رسوائی کا باعث۔ حکیم الامت علامہ اقبال نے کہا تھا ۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

موجودہ گھمبیر مسائل سے چھٹکارا پانے اور ملک کی سلامتی کو یقینی بنانے اور اُسے خوشحالی کی منزل تک پہنچانے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے قوم یونسؑ کی طرح سچی اجتماعی توبہ۔ یعنی ہم میں سے ہر شخص اپنی زندگی کا جائزہ لے اور اپنی زندگی سے خلاف شریعت چیزوں کو نکالے۔ اور پھر پورے ملک میں دین اسلام کو نافذ کرنے کے لیے بھرپور جدوجہد کا آغاز کیا جائے۔ اسلام کے نفاذ ہی سے ہمیں اللہ کی مدد اور وہ قوت حاصل ہو جائے گی، جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اللہ نے فرمایا: ''اللہ تمہاری مدد پر ہو تو دنیا کی کوئی بھی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں اور اگر وہی تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو۔ پس جو سچے مومن ہیں ان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔'' (آل عمران:160) ایسا کرنے سے ہمیں یقیناً اللہ پاک کی خوشنودی اور اس کی مدد بھی حاصل ہو گی۔ جس سے ہم اپنے دشمنوں پر پوری طرح سے قابو پا سکیں گے۔ ان شاء اللہ

بصورت دیگر شدید اندیشہ ہے کہ اللہ پاک کی طرف سے ہمیں اپنی اصلاح احوال کے لیے دی گئی یہ مہلت ختم ہو جائے اور ہم کسی بڑے عذاب میں گھر جائیں۔ اللہ کی سنت ہے کہ جس کے بارے میں سورۃ السجدہ آیت 21 میں ہمیں خبردار کر دیا گیا ہے کہ ''ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے کسی نہ کسی چھوٹے عذاب کا مزہ چکھاتے رہیں گے، تاکہ وہ اپنی روش سے باز آ جائیں۔''

اے مسلمانانِ پاکستان! سنو اور خوب کان کھول کر سنو، ہمارے ازلی دشمن ہمارے خلاف باہم متحد ہو کر ہمارے ایٹمی اسلحہ کو اپنے قبضہ میں لے کر اور ہمارے خلاف مختلف قسم کی گھناؤنی سازشیں کر کے ہمیں ہر لحاظ سے کمزور اور بے بس کر کے ہمارے ملک پر اپنی بالادستی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں دشمن کے مقابلے کے لیے مدد اللہ کی بندگی اور اسلام کی سربلندی ہی کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے۔ ورنہ اسلام سے بے وفائی اور غداری کے نتیجے میں ہمارا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ سکتا ہے، خدانہ کرے کہ سقوطِ غرناطہ کی تاریخ دہرا دی جائے۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ''پاکستان'' والو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

ضرورت رشتہ

☆ کوئٹہ میں رہائش پذیر رفیقہ تنظیم اسلامی، نیک سیرت وصورت، عمر23 سال، صوم وصلوٰۃ کی پابند، زبان پشتو، کے لیے برسر روزگار نیک لڑکے کا رشتہ مطلوب ہے۔ برائے رابطہ: 0342-8049175

☆ کوئٹہ میں رہائش پذیر رفیقہ تنظیم اسلامی، نیک سیرت وصورت، عمر23 سال، صوم وصلوٰۃ کی پابند، زبان پنجابی، کے لیے برسر روزگار نیک لڑکے کا رشتہ مطلوب ہے۔ برائے رابطہ: 0345-8376473

☆ ملتان سے تعلق رکھنے والی فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 32 سال، برسر روزگار کے لیے دینی مزاج کی حامل کم از کم میٹرک پاس، ملتان ہی سے تعلق رکھنے والی لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0323-6480176

☆ لاہور میں رہائش پذیر راجپوت فیملی کو اپنی دو بچیوں عمر 35 سال، تعلیم بی اے اور عمر 33 سال، تعلیم بی ایس سی، کمپیوٹر کورسز، النور انسٹیٹیوٹ سے دینی کورسز کیے ہوئے ہیں، کے لیے دیندار گھرانوں سے برسر روزگار لڑکوں کے رشتے درکار ہیں۔ برائے رابطہ: 0300-8884934

افغانستان پر کنٹرول کا اصل سبب:

مذہبی ترجیحات تھیں، نہ کہ حقوق انسان کی پامالی

عابداللہ جان کی معرکہ آرا کتاب

"Afghanistan: The Genesis of the Final Crusade"

کا قسط وار اُردو ترجمہ

ترجمہ: محمد فہیم

دہشتگردی کے خلاف جنگ، تباہ کن ہتھیاروں سے چھٹکارا یا جمہوریت کے لیے جنگ تمام بہانے افغانستان پر حملے کے لیے گھڑے گئے ہیں۔ جتنا بھی امریکہ اصل مقاصد کو چھپانے کی کوشش کرے گا، اتنا ہی دُنیا کی نظروں میں قبضہ کے ناجائز ہونے کی حقیقت آشکارا ہوتی جائے گی۔ امریکہ کے اسلام سے متعلق خدشات اور اپنے فوجی مفادات کی فکر اس کے انسانی خیرسگالی کے دعوؤں کے مقابلے میں بھاری نظر آتے ہیں۔ امریکہ نے 1999ء میں گیس اور تیل پائپ لائن بچھانے کی خاطر طالبان کو راضی کرنے کے لیے ان کی خوشامد بھی کی اور ان کو خریدنے کی پالیسی پر بھی کام کیا۔ انھوں نے ایسا انسانی ہمدردی کے حوالے سے نہیں، بلکہ اپنے مفادات کے لیے کیا۔ اسامہ بن لادن کے فتویٰ جہاد کے بعد ان کے مفادات کو خطرہ پیدا ہوا تھا۔

افغانستان پر کنٹرول کا اصل سبب مذہبی ترجیحات تھیں نہ کہ انسانی حقوق کی پامالی اور نہ یہ فکر تھی کہ کابل میں کون برسرِاقتدار ہے۔ اس سلسلہ میں افغانستان میں امریکی پالیسی کے متعلق کانگرس مین ڈانا رُہرا باشر (Dana Rohrabacher) کی شہادت پر بہت حد تک اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ یہ صاحب 1980ء کے اوائل سے، جب کہ وہ وہائٹ ہاؤس میں اس وقت کے صدر رونالڈ ریگن کے ساتھ سپیشل اسسٹنٹ کے طور پر کام کرتے تھے افغان امور سے متعلق رہے ہیں۔ بعدازاں بُش دوم کے اقتدار کے دوران وہ یو ایس ہاؤس انٹرنیشنل ریلشنز کمیٹی کے سینئر ممبر کے طور پر کام کرتے رہے۔ 1988ء سے وہ یو ایس کانگریس کے ممبر کی حیثیت سے افغانستان جا کر مجاہدین کے ساتھ کام کرتے تھے۔ معرکہ جلال آباد میں وہ سوویت فوجوں کے خلاف جنگ میں بھی شریک رہے۔

رُہرا باشر کی شہادت ہے کہ: ’’افغانستان کے بارے میں امریکی پالیسی کے ساتھ بیس سالہ تعلق کی بنیاد پر میں ایک سوال پوچھتا ہوں وہ یہ کہ آیا امریکی انتظامیہ نے طالبان کو اقتدار میں لانے کے لیے کوئی خفیہ کردار ادا کیا ہے یا نہیں‘‘۔ رُہرا باشر کئی دستاویزات کے جائزے کے بعد جو طالبان کے لیے امریکی خفیہ حمایت کی نشاندہی کرتی ہیں، جو نتیجہ اخذ کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ ’’میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ طالبان تحریک کو افغانستان پر کنٹرول دلانے میں امریکہ کی خفیہ پالیسی کارفرما ہے اور رہی ہے۔ اس کی دو ہی تشریحات ممکن ہیں، یا تو سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ مکمل طور پر نااہل ثابت ہو چکا ہے اور یا پھر افغانستان کے متعلق اس کی بنیادی پالیسی اب بھی خفیہ طور پر اسی ڈگر پر چل رہی ہے۔‘‘

اس صورتحال سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست ہے کہ اپنے خفیہ کردار کے ذریعے امریکہ افغانستان کو ایک سیٹلائٹ سٹیٹ بنانا چاہتا ہے، جیسا کہ مصر اور پاکستان کی صورت حال ہے، جہاں اسلامی نظام کے قیام کے لیے سوچنا بھی آہستہ آہستہ ایک جرم بنتا جا رہا ہے۔ امریکہ کا خیال ہے کہ وہ افغانستان پر بلاواسطہ قبضہ کیے بغیر اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک کٹھ پتلی حکومت کو دوام بخشنے کے لیے مسلسل مصروفِ عمل ہے۔

امریکی انتظامیہ نے خود افغانیوں کے مفادات کا کبھی خیال نہیں رکھا اور نہ ان کے جذبات کا احترام کیا ہے۔ اس نے سوویت یونین کے انخلاء کے بعد سول وار اور طالبان دورِ حکومت میں ان کو نظر انداز کیا تھا۔ بعض افغان کرزئی حکومت کی اس لئے حمایت کرتے ہیں، کیونکہ انہیں یقین ہے کہ پاکستان نے طالبان دور میں اپنے مفاد کے لیے افغانستان کا استحصال کیا ہے۔ پہلے پہل تو پاکستان نے امریکہ کی خاطر طالبان کی مدد کی اور بعد میں اسے یہ خیال آیا کہ وارلارڈز اور شمالی اتحاد کی شکل میں موجود پاکستان مخالف عناصر کے لیے واحد جائز متبادل بس وہی طالبان ہیں۔

یہ بات بھی صحیح نہیں کہ امریکہ چاہتا تھا کہ پاکستان وارلارڈز کی مدد سے افغانستان پر کنٹرول قائم کر سکے۔ اس مفروضہ کے لیے کوئی بنیاد نہیں۔ طالبان حکومت کو ایک کٹھ پتلی حیثیت دینے میں ناکامی پر امریکہ نے پاکستان پر مختلف طریقوں سے دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ ابتدائی طور پر واشنگٹن کی طرف سے آئی ہوئی پالیسی پر مزید عمل کرنا بند کرے۔ پرویز مشرف نے امریکہ کے احکام پر اپنی بغاوت کے فوراً ہی بعد اُس پر عمل شروع کیا۔ اکتوبر 1999ء میں اس نے ایک منتخب حکومت کا تختہ الٹ دیا اور صرف چار ماہ بعد طالبان کو ایک وسیع البنیاد حکومت کے قیام کا لیکچر دینا شروع کر دیا۔ تاہم طالبان کے ساتھ پاکستان کے تعلقات اتنے مستحکم اور گہرے ہو چکے تھے کہ پاکستان کے لیے اس وقت تک اُن سے گلوخلاصی مشکل تھی، جب تک امریکہ نے نائن الیون جیسے واقعہ کا ڈرامہ نہ رچا لیا۔ اس لمحہ اسلام آباد میں براجمان ’’بزدل کمانڈو‘‘ کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہ تھا کہ وہ واشنگٹن کی بتائی ہوئی اس راہِ عمل پر گامزن ہو، جو پہلے ہی سے اس کے لیے متعین کی گئی تھی۔ اس نے پہلے سے طے شدہ حملے اور افغانستان پر قبضہ کے عمل میں امریکہ کی بھرپور مدد کی۔

افغان تجزیہ کار ڈاکٹر علی نور کا تجزیہ اور پیشین گوئی صحیح ثابت ہوگئی۔ اس نے 1998ء میں لکھا تھا کہ امریکی حکومت اپنے علاقائی حلیفوں کے تعاون سے افغانستان میں ایک ایسی زیرِاثر حکومت کا قیام چاہتی ہے جس کے ذریعے اس خطے کی سیاسیات اور معاشیات پر اثر انداز ہو کر اپنے سامراجی مقاصد کی تکمیل کر سکے۔ اس قسم کی کسی

> امریکہ نے 1999ء میں گیس اور تیل پائپ لائن بچھانے کی خاطر طالبان کو راضی
> کرنے کے لیے ان کی خوشامد بھی کی اور ان کو خریدنے کی پالیسی پر بھی کام کیا

حکومت کی ''دریافت'' اور قیام کے لیے جتنی دیر لگتی جارہی ہے ملک کو اس دوران اسی طرح افراتفری اور عدم استحکام سے دوچار کرنے کا عمل جاری رہے گا۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ علی نور کے تجزیہ کے عین مطابق افغانستان میں ایک غلام حکومت قائم ہے۔ یہ حکومت صرف کابل کی حدود تک مؤثر ہے۔ یہ انتظام کم از کم اس وقت تک جاری رہے گا جب تک امریکی فوج اس کے صدر کی حفاظت پر مامور ہو۔ وہ صدر جس کی حیثیت کابل میونسپلٹی کے میئر سے زیادہ کچھ نہیں۔

طالبان کے لیے پانی گدلا کرنے کی خاطر افریقہ اور یمن میں بم حملوں کا الزام اسامہ پر لگایا گیا۔ باوجود کہ اس کے کہ اُس نے واضح طور پر کہا کہ ان دہشت گردانہ کارروائیوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ طالبان اقتدار کے خاتمہ کے لیے امریکہ نے اقوام متحدہ پر دباؤ ڈالا کہ وہ طالبان کے خلاف پابندیاں عائد کرے۔ طالبان کے برسر اقتدار رہنے سے مغربی فرموں کو افغانستان میں سرمایہ لگانے میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔ دور جدید کے کروسیڈرز اپنی مہم میں کامیاب ہوگئے اور کارپوریٹ دہشت گردوں کو طالبان کو خریدنے میں کامیابی حاصل کرنے کی اُمیدیں چھوڑنی پڑیں۔

امریکی انتظامیہ افغانستان میں ایک دوسرا سعودی عرب یا کویت بنانے میں ناکام رہی، جہاں اسے ایسے ذرائع اور پالیسیوں تک رسائی حاصل ہے جس کی وجہ سے امریکہ کو نہ تو وہاں سے اسلامی انقلاب کا کوئی خدشہ ہے، نہ یہ اندیشہ کہ مسلم عوام کبھی اس نوآبادیاتی نظام سے چھٹکارا پاسکنے کے قابل ہوسکیں گے۔ جیسا کہ احمد رشید بتاتا ہے: UNOCAL پراجیکٹ اس یقین کے ساتھ قائم کیا گیا کہ طالبان افغانستان پر قبضہ کرلیں گے۔ ان کو یہ یقین مختلف ملکوں سعودی عرب، پاکستان اور امریکی انتظامیہ میں شامل عناصر نے دلایا۔ یہ یقین غلط تھا، کیونکہ اس کی بنیاد فتح پر رکھی گئی تھی اور فتح نہ ہونے کی صورت میں نہ صرف یہ کہ پائپ لائن بچھانا ناممکن تھا، بلکہ اس کام کے لیے جو تحفظ درکار ہے وہ انھیں کبھی حاصل نہ ہوسکے گا۔

طالبان کے دور کی نسبت آج یہ معاملہ زیادہ درست ہے۔ امریکہ کو یقین ہے کہ اس نے افغانستان کو فتح کیا ہے اور اب جن پراجیکٹس کے لیے سالوں انتظار کیا گیا، ان کو شروع کرنے کے لیے حالات موافق ہیں۔ اصل سوال یہ ہے کہ امریکہ کب تک ایک مسلط کردہ حکومت کو تحفظ دے سکے گا اور کب تک افغانستان میں رہ سکے گا کہ اپنی کٹھ پتلیوں کو افغانستان میں تحفظ فراہم کرسکے؟

کرزئی کی کٹھ پتلی حکومت کے مقابلے میں طالبان ملک میں امن وامان برقرار رکھنے میں زیادہ کامیاب رہے۔ تاہم چار باتیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے بالآخر وہ ناقابل قبول ٹھہرے۔

i- انھوں نے کرزئی، مشرف یا بہت سے عرب شاہوں اور شیوخ کی طرح غلاموں کی طرح سب کچھ ماننے سے انکار کردیا۔

ii- طالبان نے اس بات کا التزام کیا کہ وہ افغانستان کو ایک اسلامی سٹیٹ میں تبدیل کریں گے اور اسلام خائف قوتوں کی سوچ یہ تھی کہ وہ ایسی حکومت کو گرائیں گی۔

iii- وہ خوف جو اسامہ بن لادن کے جہاد کے فتوئی نے واشنگٹن کے دہشت گردوں کے دلوں پر طاری کردیا تھا، اس کی وجہ سے آئل مافیا اور کارپوریٹ دہشت گردوں کے تمام منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے حالت انتظار سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

iv- مسلم دُنیا میں یہ بحث شروع ہوگئی کہ مسلمان مکمل آزادی کے ساتھ بغیر کسی بیرونی مداخلت کے اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے اپنا فریضہ ادا کریں اور یہ ان کے ذمے ہے۔

طالبان دہشت گردی میں ملوث ہونے کا کوئی منصوبہ نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی انھوں نے اپنے مہمانوں کی بیرون ملک دہشت گردانہ حملوں کی منصوبہ بندی میں کسی قسم کی اعانت کی تھی۔ بعد کے دنوں کے دوران تو طالبان اس حد تک گئے کہ انھوں نے اسامہ اور ان کے ساتھیوں کو کڑی نگرانی کے تحت رکھا۔ طالبان نے عرب مہمانوں سے کمیونیکیشن سے متعلقہ سارا ساز وسامان قبضہ میں لے لیا تھا اور یہ طالبان ہی تھے جنھوں نے نامہ نگاروں کو اسامہ سے ملنے پر پابندی لگائی، خصوصاً جن کے پاس اس (اسامہ) کے بیانات کو ریکارڈ کے آلات ہوتے تھے۔

اس عام خیال کے برعکس کہ عرب طالبان کو ہدایات دیتے رہتے تھے جیسے کہ ایمن الظواہری کہتے ہیں کہ حکم پر چلنا تو دور کی بات ہے طالبان تو ان عربوں کی کسی بات پر کان دھرنے کو بھی تیار نہ تھے۔ طالبان کے اِن تمام مصالحانہ رویوں کا یہ مطلب نہیں تھا کہ انھوں نے بھی مشرق وسطی کے کسی بادشاہت اور شیوخ کی کسی ریاست یا پاکستان جیسے کسی ''جمہوری'' ملک کی طرح امریکہ کے سامنے مکمل سپر اندازی اختیار کی تھی اور اس طرح کے انداز فکر سے ان کے اس عزم میں کوئی کمی آئی تھی جو انھوں نے اسلامی طرز حیات کو اختیار کرنے کے لیے کیا تھا۔

ان حالات میں کروسیڈرز کے لیے یہ بات ناگزیر ہوگئی تھی کہ وہ طالبان مخالف مہم جوئی کو آخری حد تک لے جائیں۔ امریکی انتظامیہ جو مذہبی جذبات کے زیر اثر تھی، اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی متبادل نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ نے طالبان کو بالکل ابتدا ہی میں اپنے راستے کا پتھر سمجھنا شروع کیا تھا۔ اور انہی وجوہات کی بنا پر اُس نے طالبان کے متعلق ایک مکمل اُلٹی (abourt turn) پالیسی اختیار کی۔

(جاری ہے)

بقیہ: قسطنطنیہ کی آواز!

اُن کی ایک آزاد وخود مختار ریاست قائم ہونے دی جائے جس کا دارالحکومت بیت المقدس ہو۔ کیا سبب ہے کہ مسلمان سربراہ اس مطالبے پر یکسو اور یکجان نہیں ہورہے۔ کیا حکمرانوں کو صرف اپنا اقتدار عزیز ہے۔ اور وہ بھولے ہوئے ہیں کہ ایک دن ان سے بازپرس کی جائے گی کہ جب تمہارے بھائی بھوک پیاس سے مررہے تھے اور اہل جبر نے انہیں محاصرے میں لیا ہوا تھا تو تم کیا کررہے تھے؟

ترکی کے پرعزم کردار نے دل کے اندر گئے دنوں کی کسک تازہ کردی۔ خلافت عثمانیہ کا سورج ڈوب گیا لیکن کیا اسلامی قوت کا احیاء گئے دنوں کے قسطنطنیہ اور آج کے استنبول سے ہونے جارہا ہے؟ ترک وزیراعظم نے دلوں کو گرمادینے والی تقریر کی ہے۔ ترکی نے ابتداء ہی سے اسرائیل کو تسلیم کررکھا ہے۔ دونوں ممالک کے درمیان قریبی عسکری اور تجارتی تعلقات قائم ہیں۔ دونوں ایک مدت سے مشترکہ جنگی مشقیں کرتے رہے ہیں۔ اسرائیل نے مشرق وسطی کے حوالے سے ترکی کو ہمیشہ قابل اعتماد ساتھی سمجھا ہے لیکن طیب اردگان کی مردانہ للکار گونجی ہے۔ "Enough is Enough" بہت ہوچکی۔ اسرائیل ہمیں کمزور نہ سمجھے۔ ہمارے صبر کا امتحان نہ لے۔ دوستی کی طرح ہماری دشمنی بھی بھرپور ہوتی ہے۔ زبانی مذمت کافی نہیں۔ دنیا اسرائیلی دہشت گردی کے خلاف عملی اقدام کرے۔''

کیا قسطنطنیہ کی آواز، امت مسلمہ کی آواز بن سکے گی؟ کیا اب بھی امریکہ یہ نہیں سمجھ پائے گا کہ دنیا اس سے نفرت کیوں کرتی ہے؟

قسطنطنیہ کی آواز!

عرفان صدیقی

گوشہ نشین ہو جانے والے شہنشاہ عالم پناہ جارج ڈبلیو بش نے کوئی نو برس پہلے حیرت واستعجاب سے لبریز لہجے میں سوال کیا تھا۔ ''جانے دنیا ہم سے نفرت کیوں کرتی ہے''۔ عراق کو تاخت وتاراج کردینے، افغانستان میں خون کی ندیاں بہانے اور پاکستان کی بستیوں پر آتش وآہن کی بارش برسانے کے بعد بھی بش کو اپنے سوال کا جواب نہیں مل سکا۔ ''تبدیلی'' کا نعرہ لگا کر قصر سفید میں تشریف فرما ہونے والے سیاہ فام صدر کو بھی اپنی مدبرانہ تقاریر کے باوجود یہ علم نہیں ہو سکا کہ دنیا امریکہ سے نفرت کیوں کرتی ہے اور دنیا کی واحد عالمی طاقت ہوتے ہوئے بھی اس کی فرمانروائی کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتی۔

جو کچھ چار دن قبل اسرائیل نے کیا اور جو کچھ عالم عرب کے سینے میں بویا جانے والا یہ سرطان پچھلے باسٹھ برس سے کر رہا ہے، ریاست ہائے متحدہ کو اس کی کوئی خبر نہیں۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ غزہ کی چھوٹی سی پٹی میں کم وبیش تین برس سے محصور پندرہ لاکھ انسانوں پر کیا گزر رہی ہے۔ امریکہ جمہوریت کا پاسبان، انسانی حقوق کا نگہبان، احترام آدمیت کا پشتیبان اور امن وانصاف کا ترجمان ہونے کا دعویدار ہے لیکن اسے ابھی تک کسی نے نہیں بتایا کہ غزہ میں محصور بچے فاقوں سے مر رہے ہیں۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ بتاتی ہے کہ غزہ کے لوگوں میں سے ستر فیصد کو ایک ڈالر یومیہ سے بھی کم پر گزارا کرنا پڑ رہا ہے۔ 75 فیصد صرف اس خوراک پر زندہ ہیں جو اقوام متحدہ یا دوسرے ذرائع سے ان تک پہنچتی ہے۔ 60 فیصد کے پاس پینے کا پانی تک نہیں اور وہ شدید مشکلات کا شکار ہیں۔ لاکھوں انسان جس میں بچے، بوڑھے، عورتیں، نوجوان شامل ہیں ریاستی قہر اور جبر تلے لمحہ لمحہ موت کے منہ میں جا رہے ہیں اور دنیا کچھ نہیں کر سکتی کیونکہ امریکہ، اسرائیل کی پشت پہ کھڑا ہے اور اس کے مظالم کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔ امریکی امداد کا سب سے زیادہ بہاؤ اسرائیل کی طرف ہے۔ امریکی تعاون اور سرپرستی کے ساتھ وہ ایک ایٹمی قوت بن چکا ہے اور ایٹمی ہتھیاروں کا ایک بڑا ذخیرہ گود میں لئے بیٹھا ہے۔ امریکی شہ پر ہی وہ فلسطینیوں کی سرزمین پر نئی کالونیاں بنانے میں مصروف ہے۔ امریکی اشیرباد ہی کے باعث وہ عالمی رائے عامہ کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر پر رکھتا اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کو حقارت کے ساتھ کوڑے دان میں پھینک دیتا ہے۔ امریکی مدد کے ساتھ ہی وہ ہر معاہدے کی قبا تار تار کر دیتا ہے۔ امریکہ کے سائبان تلے بیٹھ کر ہی وہ فلسطینی بستیوں کو ٹینکوں سے روند ڈالتا اور توپوں سے اڑا دیتا ہے۔ امریکہ کے اشارۂ ابرو پر ہی وہ بین الاقوامی قوانین کی دھجیاں اڑا رہا ہے۔ امریکہ ہی کے زور پر بیس ہزار مربع کلو میٹر کا یہ بالشت بھر ملک ساری دنیا کے امن کو چیلنج کر رہا ہے۔

اور شہنشاہ عالم پناہ پوچھتے ہیں ''دنیا ہم سے نفرت کیوں کرتی ہے۔''

مجھے نہیں معلوم کہ اس وقت امریکہ میں دنیا جہان کے علوم وفنون پڑھانے اور سکھانے والی کتنی دانش گاہیں ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ امریکہ میں مختلف معاملات ومسائل کی گتھیاں سلجھانے والے کتنے تھنک ٹینکس ہیں جہاں زیرک اور دانا امریکی سر جوڑ کے بیٹھتے ہیں۔ مجھے اندازہ نہیں کہ سینکڑوں صفحات کے حامل کتنے اخبارات وجرائد امریکہ سے شائع ہوتے ہیں جن میں عالمانہ تبصرے اور فاضلانہ تجزیئے چھپتے ہیں۔ اس کے باوجود نہ امریکہ یہ سب سمجھ پایا کہ رعونت میں لتھڑی اس کی اندھی طاقت آزمائی ساری دنیا میں اس کے لیے کانٹوں کی ایک فصل بو رہی ہے، اور نہ اسے اس بات کا اندازہ ہوا کہ اسرائیل کی حیا باختہ دہشت گردی اور چھ دہائیوں پر محیط اس کا مسلم کش رویہ، عالم اسلام میں اضطراب پیدا کر رہا ہے۔ اسے ایک طالب علمانہ سی بات کا ادراک نہیں ہو سکا کہ اخلاقیات اور تہذیبی اقدار سے ماوراء اسرائیلی سرپرستی اس کے بارے میں نفرتوں کو ہوا دے رہی ہے۔

اور 'امت مسلمہ' کا لفظ نوکِ قلم پہ لاتے ہوئے سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔ تصور کیجئے۔ اسرائیل چاروں طرف سے مسلم ممالک اور بحیرۂ روم سے گھرا ہے۔ مصر کا 255 کلومیٹر بارڈر، اردن کا 238 کلومیٹر، لبنان کا 79 کلومیٹر اور شام کا 76 کلومیٹر بارڈر اسرائیل سے ملتا ہے۔ مغربی کنارہ 307 کلومیٹر طویل ہے اور بحری ساحل کوئی 273 کلومیٹر تک پھیلا ہے۔ اسرائیلی سرحدوں پر واقع مسلم ممالک کا مجموعی رقبہ 13 لاکھ مربع کلومیٹر کے لگ بھگ ہے اور آبادی بارہ تیرہ کروڑ کو چھو رہی ہے۔ اس حصار کے اندر 20 ہزار مربع کلو میٹر پر مشتمل اسرائیل شیش ناگ کی طرح پھن پھیلائے بیٹھا ہے جس کی کل آبادی ستر لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ ستم یہ نہیں کہ ان ممالک کی رگ حمیت ٹھنڈی ہو چکی ہے، ستم یہ ہے کہ مصر عملاً فلسطینیوں کے خلاف اسرائیل کا دست وبازو بنا ہوا ہے اور اس محاصرے میں شریک ہے جو اسرائیل نے غزہ کے بے دست وپا فلسطینیوں کو فاقوں مارنے کے لیے کر رکھا ہے۔ انہی خدمات کے عوض مصر، امریکہ سے مدد حاصل کرنے والا دوسرا بڑا ملک ہے اور اسی سبب حسنی مبارک نامی شخص گزشتہ تیس برس سے مصر کے منصب صدارت پر فائز ہے۔ ''صدارتی انتخابات'' باقاعدگی سے ہوتے ہیں اور آج تک امریکہ کو ان انتخابات میں ایسی ذرہ برابر آلائش نظر نہیں آئی جو مسلمہ جمہوری تقاضوں کے منافی ہے۔

ذرا نگاہ کا افق پھیلایئے، ساری دنیا میں کوئی ڈیڑھ ارب مسلمان رہتے ہیں۔ دنیا کا ہر چوتھا آدمی مسلمان ہے۔ کم وبیش 75 فی صد تیل کی دولت ان مسلم ممالک کے پاس ہے۔ 57 اسلامی ممالک نے او آئی سی کے نام سے اپنی ایک تنظیم بنا رکھی ہے۔ عرب لیگ کو قائم ہوئے چھ دہائیاں ہوئیں۔ اور اسرائیل کا ناسور اپنی جگہ موجود ہے۔ کوئی یہ بھی نہیں کہہ رہا کہ اس ناسور کو نابود کر دیا جائے۔ صرف اتنا تقاضا ہے کہ فلسطینیوں کو جینے کا حق دیا جائے۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق

(باقی صفحہ 12 پر)

دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

انجمن خدام القرآن فیصل آباد کے زیر اہتمام امراء اجتماع

ڈاکٹر محمد اقبال صافی
(صدر انجمن خدام القرآن خیبر پختون خوا)
کی تاثراتی رپورٹ

اس سال مرکز کے زیر اہتمام امراء کے لیے تربیتی اجتماع 4 تا 9 اپریل 2010ء کو انجمن خدام القرآن اکیڈمی فیصل آباد میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں بعض سینئر رفقاء کے علاوہ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد اور امیر محترم حافظ عاکف سعید صاحب کا بھی مطالعاتی کورس پڑھانے کا پروگرام تھا۔ یہ سن کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ کیونکہ مدتوں کی آرزو اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی۔ معلوم نہیں، اس مختصر فانی زندگی کا خاتمہ کب ہو۔ بہر حال حیات مستعار کا خاتمہ جب بھی ہو، ہمارا کام یہ ہے کہ صحیح دینی رہنمائی کے لیے حسبِ استطاعت کوشاں رہیں، اللہ کی رضا اور اُخروی نجات کے لیے صراطِ مستقیم پر چلیں، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھیں۔

4 اپریل کو صبح سویرے پشاور سے، محمد سعید اور خورشید انجم اور راقم الحروف فیصل آباد کے لیے روانہ ہوئے۔ بوقت ظہر قرآن اکیڈمی فیصل آباد پہنچ گئے۔ عصر کے بعد پروگرام کا پہلا سیشن بانیٔ امیر اور امیر محترم کے ساتھ ہوا۔ یہ سیشن نماز عشاء تک جاری رہا۔ دوسرے دن بھی ڈاکٹر صاحب ایک سیشن میں موجود رہے۔ تیسرے دن ڈاکٹر صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی، بنابریں تربیتی کورس کے شرکاء سے خطاب نہ فرما سکے۔ البتہ طبیعت کی خرابی کے باوجود ظہر سے پہلے تشریف لائے، اور نہایت شفقت سے فرمایا کہ آپ کے ذہن میں تنظیم اسلامی کے متعلق جو بھی سوال ہو، آپ پوچھ لیجئے، کیا خبر آپ کے ساتھ یہ زندگی کی آخری ملاقات ہو۔ چنانچہ رفقاء کی طرف سے سوالات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ڈاکٹر صاحب ہر سوال کا جواب تفصیل سے دیتے رہے۔ اس طرح یہ سیشن بانی امیر اور امیر محترم کے ساتھ دو سے سوا دو گھنٹے جاری رہا۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب سے دُعا کی درخواست کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی دعا مانگی۔ اس دوران ڈاکٹر صاحب پر ایسی رقت طاری ہوگئی کہ سارے رفقاء کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ میرے ساتھ ناظم اعلیٰ اظہار بختیار خلجی موجود تھے، جن پر کافی دیر تک یہ کیفیت طاری رہی۔ اس قیمتی سیشن کے بعد ڈاکٹر صاحب لاہور کے لیے روانہ ہوگئے۔ اب تربیت کا پروگرام امیر محترم حافظ عاکف سعید صاحب کی زیر نگرانی انجمن خدام القرآن (فیصل آباد) کی مسجد کے ہال میں جاری رہا۔ اس تربیتی کورس کے شرکاء کی تعداد 200 کے قریب تھی۔ انجمن فیصل آباد کی اکیڈمی ایک وسیع و عریض پلاٹ پر واقع ہے۔ اس میں ایک کشادہ مسجد، ہال اور وضو کے لیے غسل خانوں اور پانی کا نہایت اچھا نظام موجود ہے۔ کارکنوں کے لیے مناسب دفاتر کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔ ایک لائبریری بھی ہے، جس میں شمالی پنجاب اور حلقہ خیبر پختون خواہ جنوبی کے شرکاء کے لیے رہائش کا بندوبست کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ وسیع لان بھی موجود ہے۔ پلاٹ کے درمیان میں سڑک کے کنارے صدر انجمن کی رہائش گاہ ہے۔ سارے ملک کی طرح فیصل آباد میں بھی لوڈشیڈنگ عروج پر تھی، لیکن صدر انجمن ڈاکٹر عبدالسمیع، محترم رشید عمر اور ان کی ٹیم کے ممبران کے اچھے انتظام کی وجہ سے پروگرام شیڈول کے مطابق جاری رہا۔ اگرچہ اس دوران پانی کی معمولی کمی، وائرنگ میں خرابی اور جنریٹر کی خرابی کے چند معمولی واقعات پیش آئے، تاہم اللہ تعالیٰ کی مدد اور مہربانی اور انتظامیہ کی بروقت تعمیری مداخلت اور چابک دستی سے تربیتی کورس پروگرام کے مطابق جاری رہا۔ تربیتی کورس کے دوران بانی محترم، امیر تنظیم اور سینئر رفقاء کی بروقت موجودگی قابل ستائش رہی۔

تنظیم اسلامی کورنگی کے زیر اہتمام شب بیداری

تنظیم اسلامی کورنگی کے زیر اہتمام 24 اور 25 اپریل 2010ء کی درمیانی شب رفقاء اور احباب کے لیے تربیتی اجتماع کا اہتمام کیا گیا۔ یہ تربیتی اجتماع اِس اعتبار سے منفرد تھا کہ اس میں بانی محترم کی زندگی کے مختلف ادوار کو نہایت خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا۔ مقامی امیر انجینئر نعمان اختر کے تمہیدی کلمات سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلی نشست میں ڈاکٹر صاحب کو ''خراج عقیدت'' کے ضمن میں کچھ ویڈیو کلپس رفقاء کو دکھائی گئیں۔ اس کے بعد لاہور کے تعزیتی جلسے کی جھلکیاں خاص طور پر امیر محترم کے خطاب کے چیدہ چیدہ نکات رفقاء کو سنائے گئے۔ محمد وقاص نے ''بانیٔ محترم اور اسلامی جمعیتِ طلبہ'' کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے آپ کے زمانۂ طالب علمی کی کاوشوں کو رفقاء کے سامنے بیان کیا۔ ابرار احمد نے ''بانیٔ محترم اور جماعت اسلامی'' کے موضوع پر بیان کیا۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی جماعت میں شمولیت اور استعفا کی وجوہات اور اس کے بعد کے حالات پر روشنی ڈالی۔ رات کے آخری بیان کا موضوع تھا: ''بانیٔ تنظیم اسلامی اور دعوت رجوع اِلیٰ القران''۔ اس موضوع پر عبید احمد نے رفقاء کو ڈاکٹر صاحب مرحوم کی اُن کوششوں اور جدوجہد کی مختصراً یاد دہانی کرائی جو انہوں نے 1957ء سے 1972ء تک دعوت رجوع الی لقرآن کو پھیلانے کے ضمن میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر کیں۔ رات بارہ بجے رفقاء کو آرام کرنے کے لئے کہا گیا۔

رات کے آخری پہر ساڑھے تین بجے رفقاء کو تہجد کے لیے جگایا گیا۔ تہجد پڑھنے کے بعد نماز فجر سے پہلے راقم نے ''بانیٔ محترم اور تنظیم اسلامی'' کے موضوع پر گفتگو کی۔ نماز فجر کے بعد سراج احمد خان نے ''بانیٔ محترم علماء کرام کی نظر میں'' کے عنوان سے کچھ اقتباسات پڑھ کر سنائے، جو مختلف علماء کرام نے بنظر تحسین ڈاکٹر صاحب کے بارے میں قلمبند کئے تھے۔ اس کے بعد ''مطالعہ لٹریچر سے اخذ شدہ سوالات'' پر مبنی پروگرام ہوا۔ اس دفعہ کوئز پروگرام کی تیاری کے لیے بانیٔ محترم کی تصنیف ''حساب کم و بیش'' منتخب کی گئی تھی۔ رفقاء نے بھرپور تیاری کی۔ کوئز پروگرام کی نظامت کی ذمہ داری مقامی ناظم دعوت انوار علی نے انجام دی۔ اس کے بعد پروگرام کا موضوع تھا: ''بانیٔ تنظیم اسلامی مذہبی اسکالرز کی نظر میں''۔ رفقاء کو دنیا چینل کے پروگرام ''دین و دانش'' کے کچھ ویڈیو کلپس دکھائے گئے، جس میں جسٹس جاوید اقبال، مجیب الرحمان شامی، ڈاکٹر شاہد مسعود، جاوید احمد غامدی اور ڈاکٹر ذاکر نائیک کے تاثرات شامل تھے۔ آخر میں بانیٔ محترم کے ''آخرت کے گھر کی طرف سفر'' کی ویڈیو دکھائی گئی۔

پروگرام کے اختتام پر ناظم دعوت انوار علی نے ''بانیٔ محترم اور ہماری ذمہ داری'' کے عنوان سے خطاب کیا۔ یہ شب بیداری صبح نو بجے اختتام پذیر ہوئی۔ اس پروگرام میں کُل 55 رفقاء اور 5 احباب نے شرکت کی۔ پروگرام کا اختتام ڈاکٹر صاحب کی اُس دُعا پر ہوا جو انہوں نے فیصل آباد اکیڈمی میں امراء کے اجتماع میں کی۔ یہ دُعا رفقاء کو بذریعہ ویڈیو دکھائی گئی۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی مساعی کو قبول فرمائے، اور ہمیں اُن کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق دے۔ آمین

(رپورٹ: سعید الزمان)

تنظیم اسلامی گوجر خان کے زیر اہتمام ایک روزہ دعوتی پروگرام

تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب پوٹھوہار گوجر خان کے زیر اہتمام 26 اپریل 2010ء کو بعد نماز مغرب ایک دعوتی پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ پروگرام کا باقاعدہ آغاز حافظ حسنین کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ احمد بلال ایڈووکیٹ نے حمد پیش کی۔ بعد ازاں شفاء اللہ صاحب نے ''اصلاح معاشرہ اور قرآن حکیم'' کے عنوان پر سورۃ المدثر کی روشنی میں نہایت بلیغ انداز میں گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ معاشرے کی حالت سمجھے بغیر دین کا کام کرنے والے لوگوں کی کوششوں سے بالعموم خاطر خواہ نتائج نہیں نکلتے۔ اس کی وجہ یہ ہے انہوں نے قرآن حکیم سے رہنمائی حاصل نہیں کی ہوتی۔ انہوں نے کہا کہ قبل از بعثت نبویؐ کے معاشرے اور آج کے

معاشرے میں بہت مماثلت ہے۔ شراب، چوری، ڈاکہ، قتل، جوا، زنا، سود، خیانت اور اولاد کے قتل جیسے قبیح افعال اگر اس معاشرے میں موجود تھے تو آج ہمارے معاشرے میں بھی ان خبائث کو بامِ عروج تک پہنچا دیا گیا ہے۔ اس معاشرے کی اصلاح بھی اسی نہج پر ہوگی جس نہج پر اللہ کے رسول ﷺ نے معاشرے کی اصلاح کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اصلاح معاشرہ سے پہلے اپنے وجود کی اصلاح ضروری ہے۔ اور اس ضمن میں حضور ﷺ کی زندگی ہی ہمارے لیے واحد نمونہ ہے۔ یوں تو ہم سب حضور ﷺ کی محبت کے دعویدار ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ عملاً حضور ﷺ کی محبت کا ثبوت دیں۔ آپؐ کے طرزِ زندگی اور آپؐ کی پاکیزہ تعلیمات کو اپنائیں۔ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو فتنوں سے بچنے کی واحد صورت قرآن حکیم کا التزام بتایا تھا، کیونکہ اس میں سابقہ امتوں کے احوال بھی درج ہیں، آنے والے تمام مسائل کا حل موجود ہے اور ہر تنازع کا فیصلہ بھی ہے۔ جس شخص نے قرآن حکیم کو پیٹھ دکھائی، اللہ اُسے ہلاک کر کے چھوڑے گا۔ دُعا کے ساتھ یہ دعوتی اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان مساعی کو قبول فرمائے۔ آمین

(رپورٹ: عبدالرحمٰن تابانی)

حلقہ لاہور کے زیرِ اہتمام صفدر آباد میں ایک روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام

حلقہ لاہور کی مقامی تنظیم شیخوپورہ کی طرف سے یہ تقاضا سامنے آ رہا تھا کہ شیخوپورہ میں ایک روزہ پروگرام کیا جائے۔ امیر حلقہ لاہور محمد جہانگیر صاحب نے مجلس عاملہ اور شیخوپورہ تنظیم کے امیر قیصر جمال فیاضی سے مشورہ کے بعد فیصلہ کیا کہ یکم مئی 2010ء کو ایک روزہ پروگرام صفدر آباد (منڈی ڈھاباں سنگھ) میں منعقد ہوگا۔ اس فیصلے کی روشنی میں حلقہ لاہور نے ایک روزہ کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق حلقہ لاہور کے رفقاء یکم مئی صبح 6 بجے مرکز گڑھی شاہو پہنچے۔ یہاں پر ناشتہ سے فراغت کے بعد صفدر آباد روانگی ہوئی۔ صفدر آباد میں ہمارا قیام مسجد بلال میں رہا۔ وہاں پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد ہی چار چار رفقاء پر مشتمل آٹھ گروپ انفرادی دعوتی گشت پر روانہ ہو گئے۔ ان گروپوں کے انچارج شکیل احمد تھے۔ ان رفقاء نے پروگرام کا ہینڈ بل، تنظیم اسلامی کا اجمالی جائزہ، نوید خلافت، اسلام کا انقلابی منشور، اور تنظیم اسلامی: ایک نظر میں، پر مشتمل لٹریچر صفدر آباد کی مارکیٹوں اور گھروں میں تقسیم کیا۔ اس دوران ایک گروپ نے جو شیخ محمد نعیم (امیر)، غازی محمد وقاص، نعیم غفور شیخ اور مقامی رفیق ندیم عباس پر مشتمل تھا، علاقہ کے افراد سے خصوصی ملاقاتیں کیں اور انہیں تنظیم اسلامی کا لٹریچر دیا۔ اس کے دوران باہر مین روڈ پر رفیق تنظیم اسلامی محمد اشفاق کی دوکان اور ڈاکٹر محمد ابراہیم کے کلینک کے سامنے ایک تعارفی کیمپ لگایا گیا جہاں بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم و مغفور کے دروس قرآن کی ڈی وی ڈیز بھی چلائی جاتی رہیں اور ساتھ ہی کتابوں اور سی ڈیز کا سٹال بھی لگایا گیا۔ دوپہر 12 بجے ساتھی واپس مسجد پہنچے۔ اب اُن کے سامنے عاصم نذیر بخاری نے گفتگو کی۔ اُن کا موضوع تھا: کیا اللہ کی اطاعت ہماری ترجیح اوّل ہے؟ نمازِ ظہر کی ادائیگی کے بعد رفقاء نے کھانا کھایا اور کچھ دیر آرام کیا۔ 3 بجے پروگرام کا دوبارہ آغاز ہوا، تو عاصم نذیر بخاری صاحب نے اپنی گفتگو مکمل کی۔

نمازِ عصر کے بعد جناب محترم عبدالرزاق صاحب نے ''ہمارے مسائل کا واحد حل: نظامِ خلافت کا قیام'' کے عنوان پر مفصل گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ وطن عزیز ہماری اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے مسائلستان بن چکا ہے۔ غربت، بے روزگاری، لوڈشیڈنگ اور بدامنی و انتشار نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ اپنے مسائل کا رونا تو روتے ہیں لیکن اس بات کی طرف توجہ نہیں دیتے کہ ان مسائل کا سبب کیا ہے؟ ہم نے یہ ملک کس لئے حاصل کیا تھا؟ اور کیا وہ مقصد پورا کیا؟ انہوں نے کہا کہ جب ایک گھر میں، محلے میں یا دنیا کے کسی خطے میں مسائل پیدا ہوتے ہیں تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک بھائی، ایک گروہ اپنے حق سے زیادہ وصول کرتا ہے اور دوسرا محروم رہتا ہے۔ یہ ظلم کی روش ہے۔ شرعی نظام سے انحراف کر کے آج ہماری زندگی کے ہر شعبے میں اسی ظلم و زیادتی کا دور دورہ ہے۔ ہمارا ملک پاکستان مسائل اور مظالم کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ بسا اوقات تھانے میں بے گناہوں کو ستایا جاتا ہے۔ کارخانوں میں لیبر کلاس کو تنگ کیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے جاگیردار اپنے

نامے میرے نام

مکرمی ایڈیٹر ہفت روزہ ندائے خلافت، لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مکرمی! پچھلے سات سالوں میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے گاہے بگاہے ملاقاتیں اتنا خوبصورت تاثر چھوڑ گئیں کہ قارئین سے share کرنا گویا ان کا حق ہے۔ میں ان سے TV کے ناطے ہی شناسا تھا کہ وہ غیظ و غضب میں خدائی فوجدار ہونے کا تاثر دیتے تھے اور یہ مجھے ناگوار لگتا تھا۔ 2003ء میں حج کے دوران اتفاقاً ان کے ماہنامہ رسالے میثاق کے نائب مدیر حافظ خالد محمود خضر صاحب سے مکہ میں ملاقات ہوئی۔ لاہور واپسی پر میں نے خالد صاحب سے یہ خواہش ظاہر کی کہ ڈاکٹر اسرار صاحب سے ملاقات کرائیں کہ ان کی خدمات میں وہ خدائی عنایات پیش کروں جو حج پہ میرا مقدر بنیں۔ یہ 'ون ٹو ون' ملاقات ڈیڑھ گھنٹے پہ محیط رہی۔ مغرب اور عشاء کے درمیان خدا کی شان نے ہمیں ایسے گھیرا کہ ڈیڑھ گھنٹہ میں شباب پہ پہنچی محفل کو باجماعت نمازِ عشاء کے سامنے ہی سرنگوں کیا جا سکا۔ اس ملاقات سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب تقریر کرنے سے زیادہ تقریر سننے کے ماہر ہیں۔ ان کی خدائی فوجداری کہیں نظر نہیں آئی۔ تحمل اور سمجھداری کے سوا میں نے کچھ نہیں پایا۔ انفرادی حیثیت میں میرے جیسے قرآن کے طالب علم کو پذیرائی بخشنے میں کوئی بخل نہ تھا۔ علمیت کا تکلف اور انا عنقا تھیں۔ کھلے ذہن سے بات کرتے اور سنتے تھے۔ اچھی بات انہیں اچھی لگتی تھی۔ وہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ کون کہہ رہا ہے۔ مدنظر یہ تھا کہ کیا کہہ رہا ہے۔ گویا حکمت ان کی گمشدہ میراث ہے۔ یہ مجموعی تاثر بعد کی ملاقاتوں سے اور گہرا ہوا۔ مذہب کے بارے کوئی اچھی کتاب میں انہیں پیش کرتا تو بخوشی پڑھتے۔ اپنے ذاتی بک شیلف سے کتب لینے کی مجھے فیاضانہ آفر کی۔ ان کی سادہ بے تکلف ادا ان کا زیور تھا جو کہ انہیں علم کا خزانہ ہونے کا تحفہ تھا۔

کسی نے کہا کہ بڑا آدمی وہ ہے جس کے پاس بیٹھ کر آدمی خود کو چھوٹا محسوس نہ کرے۔ اس پیمانے سے ناپیں تو ڈاکٹر صاحب بہت بڑے آدمی تھے۔ جسے اللہ عزت دے، وہ لوگوں کی عزت کا بھوکا کیسے ہو۔ ان کی عظمت کا ایک واقعہ اُن کی وفات سے تین چار ماہ پہلے کا ہے۔ یونہی ان کے پاس جا بیٹھا۔ ایک کاغذ ان کی طرف بڑھایا جس پر یہ دو آیاتِ قرآنی درج تھیں: (ترجمہ) ''اور ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک سمت (مقرر) ہے، جدھر وہ (عبادت کے وقت) منہ کیا کرتے ہیں۔ تو تم نیکیوں میں سبقت حاصل کرو۔ تم جہاں ہوگے اللہ تم سب کو جمع کرے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (البقرہ:148) اور دوسری آیت تھی: (ترجمہ) ''اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے (اور) ہم (عملوں کے لیے) کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تو تکلیف دیتے ہی نہیں۔ ایسے ہی لوگ اہل بہشت ہیں (کہ) اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' (الاعراف:42) پڑھ چکے تو میں نے نہایت ادب سے انہیں کہا کہ ڈاکٹر صاحب اب کسی مذہبی تقریر کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے، نیم خاموش رہے۔ نیم رضامندی کے ثبوت میں مجھے اپنی ذہانت اور بردباری سے متاثر کر گئے۔ بلاشبہ ذہانت و دانائی میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔

معین الحق

ریٹائرڈ چیف انجینئر واپڈا

ماڈل ٹاؤن، لاہور

differences between them regarding:

- The articles of faith
- The pillars of Islam
- The meaning of good and evil
- The definition of right and wrong
- The sources of law
- Moral values
- The role of government
- The relationship of individual and the society
- The role of women in the society

The fact is that on all of these issues, there is no difference between them. Yet, these are central issues when organizing the collective life of any society.

For example, reforming the education system based on Islam means helping the students develop an Islamic outlook. In science, they should see the signs of Allah. In history, they should see the working of Allah's Laws that determine the rise and fall of nations. Reforming the media means aligning their methods and goals with Islamic morality, throwing out a system that appeals to people's baser emotions as a means to attracting their attention and their money. Reforming the economic system means replacing the injustice and irresponsibility of a *riba* (interest) based system with the justice and responsibility taught by Islam. It means developing a society in which affluence and poverty are not viewed as achievements and failures but only as different conditions that carry with them different sets of rights and responsibilities.

Now let us ask: which of the above is hampered by the differences between various Islamic schools? Which of these require us to ask the question "Whose Islam?" before we can proceed?

In map making, the prevalent European Mercator projection system introduces distortions making some areas much bigger and others much smaller. For example, Greenland is in reality much smaller and Africa is much bigger than the maps show. A similar distortion has been introduced in the religious maps of the Muslim world that vastly enlarge our areas of disagreement and tremendously reduce our common ground, thereby portraying the picture of "so many irreconcilable versions of Islam". It does not change the fact of distortion even if the distortions may be done by insiders. It is time we realized that there is something wrong with that picture and with the question "Whose Islam?"

مزارعین کا خون نچوڑتے ہیں۔ جیلوں میں جو مظالم ہوتے ہیں، وہ بیان سے باہر ہیں۔ ان سب کا حل وہ نظام عدل وقسط ہے جس کا عنوان خلافت ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اسلام صرف نماز روزے کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ مکمل نظامِ عدل وقسط فراہم کرتا ہے۔ انبیاء کرامؑ کی بعثت کا ایک بڑا مقصد نظامِ عدل وقسط کا قیام تھا۔ ہمیں چاہیے کہ اس نظام عدل کے قیام کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ اسی سے اللہ کی رحمت ہمارے شامل ہوگی اور ہم مصائب و آلام اور ظلم و ناانصافی سے چھٹکارا پاسکیں گے۔

اس کے بعد امیر حلقہ کی ہدایت پر سب رفقاء باہر مین روڈ پر کیمپ میں جمع ہو گئے۔ یہاں پر نورالوریٰ نے مجمع سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم آج جس عذاب یعنی غربت، بدامنی، پانی کی کمی، لوڈشیڈنگ وغیرہ میں مبتلا ہیں، اس سے نجات صرف اور صرف اسلامی انقلاب سے ممکن ہے۔ نوید احمد شیخ نے علامہ اقبال کے اشعار سنا کر لوگوں کے دلوں کو گرمایا۔

اسی دوران 8 تا 12 رفقاء شکیل صاحب کی امارت میں مسجد بخاری کیڑہ منڈی میں بعد نمازِ مغرب ہونے والے خطاب کے لئے قریبی علاقہ میں گشت کے لیے روانہ ہو گئے۔ بعد نمازِ مغرب بخاری مسجد میں نبی محسن نے فرائض دینی کے جامع تصور پر پُر جوش اور جامع انداز میں گفتگو کی۔ اُنہوں نے کہا کہ لوگوں کو مائل، قائل اور گھائل کرنے کے لئے ہمیں قرآن کی تلوار استعمال کرنا ہوگی۔

پروگرام کے اختتام پر لاہور روانگی ہوئی اور مرکز گڑھی شاہو میں نمازِ عشاء کی ادائیگی کے بعد رفقاء اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ (رپورٹ: محمد یونس)

رفقاء متوجہ ہوں

تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام درج ذیل مقامات پر

مبتدی تربیتی کورسز

کا انعقاد کیا جا رہا ہے (ان شاء اللہ)

(1) مسجد فاطمہ، المعروف جامع القرآن حشمت کالونی، ہارون آباد
20 جون بروز اتوار نماز عصر تا 26 جون بروز ہفتہ نماز ظہر
برائے رابطہ: 063-225104-2250757

(2) مسجد نمرہ، ملک پورہ، سوئی گیس لنک روڈ، گوجرانوالہ
27 جون بروز اتوار نماز عصر تا 3 جولائی بروز ہفتہ نماز ظہر
برائے رابطہ: 055-3015519

(3) قرآن اکیڈمی لالہ زار کالونی نمبر 2 ٹوبہ روڈ، جھنگ
4 جولائی بروز اتوار نماز عصر تا 10 جولائی بروز ہفتہ نماز ظہر
برائے رابطہ: 047-7628561-361

زیادہ سے زیادہ رفقاء ان تربیتی کورسز میں شرکت کریں

نوٹ: موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

المعلن
مرکزی شعبہ تربیت
برائے رابطہ: 042-6366638
042-6316638
0333-4311226

KHALID BAIG

WHOSE ISLAM?

Whenever there is any talk of following Islam in the collective life of any Muslim country, one inevitably hears a rhetorical question: Whose Islam? Always the question is posed by those who want an easy out. But in addition to antipathy or hostility to Islam, which is generally recognized, it also shows intellectual dishonesty that is not as widely perceived.

Actually the question is borrowed from elsewhere --- without the least effort to judge its applicability in case of Islam. Nevertheless, it is a valid question when posed in the context of, say, Hinduism, Christianity, or Judaism. Hinduism cannot even agree on its own definition or its articles of faith ("Hinduism is whatever a Hindu believes in"). There is no unified code or source for a code, just some vaguely defined cultural traditions.

In case of Christianity, the Bible could be a central unifying instrument. The trouble is there is not one, but hundreds of them --- none of them in the original language of its revelation. Whose Bible? Whose translation? Whose interpretation? The same is true of Judaism, where even the question, "Who is a Jew?" remains a bone of contention. (The common ground in Israeli Jewry is not based on theology but only on a common goal of oppressing the non-Jews.)

In fact it was the problem with and within Christianity that lead to the doctrine of separation of Church and State in the United States. A little bit of history may be helpful here. A lot of those who came to the United States from Europe were religious people. For example, in 1630 when John Winthrop reached Massachusetts Bay, the would-be governor of the new colony declared to his followers:

> "We are entered into Covenant with Him… We shall be as one body, always having before our Commission from God to walk in His ways and to keep His Commandments and His Ordinance and His Laws… So that the Lord, our God may bless us."

But not everyone agreed on what was presented as "His Laws". After all, these were personal opinions of the religious authorities. What else could one expect in the absence of a well-preserved revealed text and well-preserved prophetic interpretation of that text! An obvious problem with this is that you can have as many contending interpretations as there are experts --- and vested interests --- willing to define them. Thus the question, "Whose religion?" became relevant and there was no practical answer. As religion became a divisive force that could not hold the country together, it had to be relegated to the private space to protect it as well as the State. So a century and a half after Winthrop, the framers of the U.S. Constitution firmly embedded the doctrine of separation of Church and State in it.

Exactly the opposite is true in the case of Islam. Here Allah's book has been miraculously preserved in the original language of its revelation, as has been the language of its revelation itself. The sayings of the Holy Prophet ﷺ along with a complete account of his life down to the smallest details have also been preserved. As even a child knows, the question, "Whose Quran?" is as absurd as the question "Whose Bible?" is relevant. The Shariah is rooted in the Quran and Sunnah. With the twin rock-solid foundations plus historic continuity, Islam remains a sure and uncompromised source of guidance unlike any other.

Are not there big differences between various schools of Islamic Law? Not only are there various schools, but also there are divisions within the schools themselves, some might point out. For example, in the countries of the Indian subcontinent where the great majority of Muslims belongs to the Hanafi School, there seems to be this unbridgeable chasm between the Deobandi and Barailwi groups. What is generally not realized is that there is no difference on issues of law or *fiqh* between these groups. While there is disagreement between them over certain practices, they rely on the same authorities, quote from the same books, and follow the same exact code of law.

The four major schools of *fiqh* certainly have differences between them. Yet the relevance of these differences to implementing Islam in a society is vastly exaggerated, while the common ground between them is ignored. Just consider, are there any

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

دینی وعصری علوم کی منفرد دانش گاہ

کُلّیۃ القُرآن (قرآن کالج)

(وفاق المدارس سے الحاق شدہ)

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

علمِ دین اور فکرِ حاضر کے حسین امتزاج کی ایک منفرد کوشش

بورڈ / یونیورسٹی کی تعلیم کے ساتھ درسِ نظامی کا مکمل نصاب

قیام وطعام کی سہولت موجود ہے

خصوصیات

- ☆ تجربہ کار، اعلیٰ تعلیم یافتہ مدرسین
- ☆ قرآنی موضوعات پر خصوصی فکری وعملی رہنمائی
- ☆ تعلیم وتربیت کا بہترین انتظام
- ☆ طلبہ کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے بہترین مواقع
- ☆ علوم اسلامیہ کے ساتھ جدید علوم یعنی درس نظامی مع میٹرک، ایف اے، بی اے، ایم اے
- ☆ اسباق وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ کے نصاب کے مطابق
- ☆ خوبصورت عمارت اور کلاس رومز
- ☆ کمپیوٹر لیب ☆ بہترین اور مکمل لائبریری
- ☆ کانفرنس اور مذاکرہ ہال
- ☆ اسلامی اخلاقیات کی مکمل پابندی
- ☆ رہائش کے لیے بہترین ہوادار اور روشن کمرے
- ☆ خوراک حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق
- ☆ طلبہ کی تدریسی ضروریات پوری کرنے میں معاونت
- ☆ وقت کا مؤثر استعمال
- ☆ مواقع تفریح کی فراہمی

شرائط داخلہ

- ☆ درجہ اولیٰ کے لیے متوسط یا مڈل پاس، ثانیہ کے لیے نہم اور اولیٰ پاس اور ثالثہ کے لیے وفاق المدارس سے عامّۃ اور بورڈ سے میٹرک پاس ہونا لازمی ہے۔
- ☆ دیگر تعلیمی اداروں سے کم از کم مڈل
- ☆ اپنے علاقے کے عالم دین سے یا سابقہ مدرسہ سے تصدیق نامہ
- ☆ سرپرست کی طرف سے ضمانت نامہ
- ☆ ٹیسٹ اور انٹرویو میں کامیابی

مقامی و دیگر شہروں کے طلبہ کے لیے درجہ اولیٰ وثانیہ (میٹرک) اور ثالثہ میں نئے تعلیمی سال کے داخلے جاری ہیں

معلومات داخلہ

- ☆ نئے سال کے لیے داخلہ کے خواہش مند طلبہ 16 جولائی سے کلیۃ القرآن آفس سے داخلہ فارم اور انٹری ٹیسٹ کے لیے سلیبس وصول کر سکتے ہیں۔
- ☆ داخلہ کے لیے انٹری ٹیسٹ اور انٹرویو پاس کرنا لازمی ہے۔ 20 ستمبر کو انٹری ٹیسٹ اور انٹرویو ہوگا۔
- ☆ مزید معلومات کے لیے ناظم اعلیٰ کلیۃ القرآن / ناظم شئون الطلاب قرآن اکیڈمی لاہور سے رابطہ کریں!

دیگر شہروں میں رابطہ مراکز:

- کراچی: قرآن اکیڈمی، DM-55 درخشاں، خیابان راحت، فیز 6، ڈیفنس کراچی فون: 3-(021)5340022
- پشاور: A-18 ناصر مینشن، شعبہ بازار، ریلوے روڈ نمبر 2۔ فون: (091) 2214495
- ملتان: قرآن اکیڈمی، 25 آفیسرز کالونی فون وفیکس: (061)6520451
- فیصل آباد: انجمن خدام القرآن، قرآن اکیڈمی روڈ، سعید کالونی نمبر 2۔ فون: (041)8520869
- اسلام آباد: 31/1 فیض آباد ہاؤسنگ سکیم 4/8-1 فون: (051)4434438

برائے رابطہ

ناظم اعلیٰ کُلّیۃ القرآن (قرآن کالج) 191۔ اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور فون: 35833637-(042)35860024

ذیلی دفتر: قرآن اکیڈمی K-36 ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: 3-(042)35869501 فیکس: (042)35834000، ای میل: irts@tanzeem.org